شاہ نعمت اللہ ولی

ان کی سوانح عمری

ان کی مشہور پیشین گوئی قیامت کا بیان

مع

نمونۂ کلام

مرتبہ ام - اے - حفیظ عفی عنہ

باہتمام [illegible] محمد خاں

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ

سنہ ۱۳۵۵ھ

فہرست مضامین

حصّہ اوّل

سوانح عمری

حصّہ دوم

قصیدہ پیشین گوئی ساعت قیامت

صفحہ

حصّہ سوم

نمونہ کلام نظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

حصّہ اوّل

۱

نعمت اللہ نام ۔ نورالدین لقب ۔ سید و نعمت اللہ تخلص ۔ عرف شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی قدس اللہ سرہٗ العزیز و نفعنا بہ

امیر تیمور اور اس کے بیٹے شاہ رخ کے زمانوں میں یہ نامور سادات اور جلیل القدر مشایخ میں سے گذرے ہیں ۔ ان کا مزار کثیر الانوار قصبہ ماہان علاقہ کرمان میں ابتدا سے زیارت گاہ خاص و عام رہا ہے ۔ غالباً یہ کہنا خلاف واقعہ نہیں کہ سارے ایران میں حضرت امام علی رضا کے مشہد مقدس کے بعد شاہؒ کی درگاہ سب سے زیادہ مرجع خلایق رہی ہے ۔ اس ملک کے فقرا کی ایک بڑی تعداد آج تک اپنے کو نعمت الہی کہکر ان کا نام ان کے وطن میں زندہ رکھتی ہے ۔

ہندوستان کے حصّہ دکن میں احمد شاہ بہمنی کے عہد سے مدّت دراز تک ان کے تقدس کی شہرت رہی ۔ شمالی ہند میں ان کا کلام امرار اکبری کے زباں زد تھا[ف] ۔ بعد کو ان کی اولاد نے بادشاہان مغلیہ سے بڑے بڑے منصب پائے ۔ آج کل بھی عوام

ف ۔ آزاد ۔ دربار اکبری ۔ طبع اوّل لاہور صفحہ ۲۲

ان کے نام سے نا آشنا نہیں بہ سبب ایک پیشین گوئی قیامت کے جو اُن کی طرف منسوب ہے اگرچہ وہ ان کے حالات زندگی و تعلیم روحانی سے خبر نہیں رکھتے۔ اس کمی کو ایک حد تک پورا کرنے کی غرض سے یہ چند اوراق جمع کر دیئے گئے ہیں وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

شاہؒ کے بعض حالات کا پتہ خود ان کے کلام سے چلتا ہے۔ اس کے بعد بہترین ذریعہ معلومات کا وہ دیباچہ ہوگا جس کو بقول صاحب مجمع الفصحا اُن کے دیوان پر اُن کے ایک فاضل ہم وطن و ہمنشین نے لکھا تھا۔ فاضل مذکور شیخ داعی الی اللہ نامی کے نظم و نثر کا ایک ضخیم مجموعہ کتب خانہ اکسفرڈ میں محفوظ ہے۔ عجب نہیں یہ دیباچہ اس مجموعہ میں پایا جائے۔ قریب اسی زمانہ کے دکن میں عبدالعزیز بن شیر ملک نے بارہ صفحوں میں مناقب شاہ ترتیب دیا۔ باعتبار مواخذ فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ ایک نے جو دیکھا وہ لکھا دوسرے نے جو سُنا وہ حوالہ قلم کیا۔ بہرکیف مناقب شاہ کا ایک نسخہ من جملہ رسایل شاہؒ اب تک کتب خانۂ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ فہرست کتب خانہ میں شاہؒ کے کچھ حالات اسی سے اخذ کرکے لکھے گئے ہیں۔ مجمع الفصحا میں نسبتاً مفصل تذکرہ ہے۔ قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ماخذ بھی وہی ہے جو فہرست مذکور کے مجمل بیان کا ہے کیونکہ جو باتیں اِس میں پائی جاتی ہیں وہی اُس میں بھی بہ تفصیل و باضافات مندرج ہیں۔ مزید براں مولف کہتا ہے کہ میں نے بیاسی عدد رسالے عربی و فارسی میں شاہؒ کے دیکھے ہیں اور لکھتے وقت سامنے ہیں۔ اس سے بھی گمان ہوتا ہے کہ اس کے پیش نظر بھی ایک ایسا ہی مجموعہ تھا جیسا کہ کتب خانہ مذکور میں محفوظ ہے اور اس مجموعہ میں مناقب شاہ بھی شامل تھا جس کا اس نے اپنی تالیف میں خلاصہ کیا ہے۔ الغرض اوراق ہذا کی بنیاد مجمع الفصحا ہے۔ جن ذرائع سے اس بنیاد پر عمارت کھڑی کی گئی ہے ان کے حوالے اپنی اپنی جگہ پر ملیں گے۔

۳

تنبیہ ۔ نعمت اللہ نام کے کئی دوسرے بزرگان دین بھی گذرے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک ایران میں اور ایک ہند میں شہرت رکھتے ہیں۔ پہلے نعمت اللہ جزایری جن کو بقول پروفیسر براون شاہ اسمٰعیل صفوی نے ایران میں مذہب اثنا عشری کی تعلیم کے لئے عرب سے مدعو کیا تھا۔ دوسرے نعمت اللہ نارنولی۔ نارنول صوبہ پنجاب میں ایک قصبہ ہے ریواڑی سے قریب تیس میل جنوب کی طرف۔ یہ اورنگ زیب بادشاہ کے ہمعصر تھے۔

۴

شاہؒ نے اپنا نسب نامہ خود لکھا ہے۔ اس کے رو سے وہ امام سادس جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ امام صاحب کی پہلی بیوی فاطمہ بنت حسین بن امام حسن علیہ السلام تھیں۔ کہتے ہیں کہ جب تک وہ زندہ رہیں انھوں نے دوسری شادی نہ کی جیسا کہ آں حضرت صلعم نے خدیجۃ الکبریٰ کی حیات میں اور جناب امیر نے خاتون جنت کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا تھا۔ ان سے دو بیٹے تھے۔ ایک عبداللہ افطح جن سے امام صاحب کی کنیت ابوعبداللہ ہوئی[ف]۔ دوسرے اسمٰعیل اعرج یعنی لنگ جن کے نام سے شیعوں کا فرقہ سبعی اسمٰعیلیہ کہلایا ان کو امام صاحب نے شراب خواری کے الزام پر عاق کر دیا اور اُن کے چھوٹے سوتیلے بھائی موسیٰ کاظم کو اپنا جانشین بنایا جو اثنا عشریوں کے ساتویں امام ہوئے۔ مگر ایک کثیر گروہ نے اسمٰعیل اعرج کی طرفداری کی۔ چونکہ انھوں نے امام صاحب کی حیات میں وفات پائی یا بقول بعضے غیبت اختیار کر لی تھی اُن کے معاونین نے اُن کے بیٹے محمد کو ساتواں امام تسلیم کر کے ایمہ سبعہ کا دور ختم کر دیا۔ اس کے بعد ایمہ مستورین کا

ف ۔ شہرستانی۔ کتاب الملل والنحل مطبوعہ لندن۔ حصہ اول صفحات ۱۲۵ - ۱۲۶ و ۱۴۵؛

سلسلہ شروع ہوا جس کے پہلے دو امام جعفر مصدّق بن محمّد مذکور اور ان کے بعد ان کے بیٹے محمّد حبیب ہوئے۔ عبید اللہ بن میموں بانی خلافت فاطمیہ مصریہ نے اپنے کو انہی کی اولاد میں سے مشتہر کیا تھا صاحب مجمع الفصحا وکاتب دیوان شاہ مطبوعہ طہران شاہ کو بھی انہی محمد حبیب کی اولاد میں سے بتاتے ہیں۔ مگر وہ خود محمّد بن اسمٰعیل کے ایک دوسرے بیٹے ابراہیم نامی کے ذریعہ سے جناب رسالت مآب کو اپنا نوزدہم[19] جد[ف۱] کہتے ہیں۔

طبری نے کئی مقام پر محمّد بن اسمٰعیل کا نام بحیثیت روای لیا ہے[ف۲]۔ لیکن ان کے دیگر حالات سے مورخین خبر نہیں دیتے اور یہ حیرت کا مقام ہے کیونکہ ان کے نام کی جماعت نے ایک زبردست حکومت کی بنیاد ڈالی اور ایک فرقہ قایم کیا جو آج تک چلا آ رہا ہے۔

شاہ کے جد امجد سیّد محمّد شہر حلب میں پیوند خاک ہوئے۔ ان کا وہ زمانہ ہوگا جب کہ ملک شام سلطان رکن الدین بیبرس کے زیر حکومت تھا۔ اس سلطان کا نام آج کل اس قدر مشہور نہیں جتنا کہ اس کی اسلام کی خدمتوں کے لحاظ سے ہونا چاہیئے۔ ساتویں صدی کے نصف آخر میں بلاد اسلامیہ پر دو سخت بلائیں نازل تھیں۔ مغرب سے صلیبیوں کا سیل ابھی تک امڈتا چلا آ رہا تھا۔ لوئی نہم شاہ فرانس مخاطب بہ لوئی مقدس کو سلطان بیبرس نے ایک ایسی شکست دی کہ یہ سیل آئندہ کے لئے تقریباً بالکل فرو ہوگیا۔ مشرق سے سیل تاتار خلافت عباسیہ کو ہمیشہ کے لئے نیست ونابود کرتا ہوا ملک شام تک آن پہنچا

ف۱ دیوان میں پانزدہم[15] جد سریحاً کتابت کی غلطی ہے۔

ف۲۔ دیلو نوف۔ اسمٰعیلیہ ٹیکا مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ ۱۹۲۲ء صفحہ ۶۱

تھا کہ سلطان موصوف نے ان کو مغلوب کر کے ان کے عروج کو زوال سے بدل دیا۔ مغلوں میں دینِ برحق کی اشاعت بھی زیادہ تر اسی کی کوششوں سے ہوئی ف۱ ہلاکو خاں نے اسمٰعیلیوں کو جبل الموت سے جو شمالی ایران میں واقع ہے نکال دیا تھا۔ ان میں سے بہتیرے تہ تیغ ہوئے۔ جو بچ گئے وہ بھاگ کر شام میں اپنی دوسری شاخ کے ساتھ پناہ گزین ہوئے۔ شہر حلب کے آس پاس میں انھوں نے متعدد قلعے بنا رکھے تھے جہاں سے وہ بلا امتیاز مذہب مسلمان و مسیحی سرداروں کو قتل کیا کرتے تھے۔ یہ گروہ حسن بن صبّاح کا پیرو تھا اور کتب تواریخ میں نزاری یا حشیشین کے نام سے موسوم ہے۔ بظاہر ان کا مقصد سادات کی حمایت تھی۔ اس لیے کچھ سادات بھی ان کے دام تزویر میں آ گئے تھے۔ سلطان بیبرس نے ۶۷۲ھ تک ان کے کل قلعے چھین لئے اور اس جماعت کو منتشر کر دیا۔ ان میں سے بعض حلب میں روپوش ہوئے۔

سلطان صلاح الدین کے جانشینوں کے عہد میں حلب میں بکثرت مدرسے قائم ہوئے جن کے باعث یہ شہر بھی دمشق کے مانند مدینۃ العلوم ہو گیا تھا۔ یہاں فضلاءِ عصر درس دیا کرتے تھے اور علم کے پیاسے دور دراز ملکوں سے تکمیل فن کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک جلال الدین بلخی تھے جو بعد کو ملقب مولانا روم یقیناً اس گروہ میں شامل ہوئے جس کی نسبت خود ان کا ارشاد ہے۔ بیت

بزیر کنگرۂ کبریاش مردانند — فرشتہ صید پیمبر شکار یزداں گیر

غرض حلب میں اس وقت علم کا چرچا تھا اور اسمٰعیلیوں سے خالی نہ تھا۔ یہیں ہی شاہؒ کے والد سید عبداللہ نے بھی تعلیم و تربیت پائی۔

ف۱۔ آرنلڈ۔ پریچنگس آف اسلام۔ طبع اوّل صفحہ ۱۹۲ بحوالہ مقریزی۔

انھوں نے عربستان چھوڑ کر ایران میں سکونت اختیار کی اور شبان کارہ فارس کی ایک عورت سے شادی کر لی۔ شبان کارہ کردوں کے ایک جرگہ کا نام ہے جو عہد سلاجقہ سے نواح داراب گرد ملک فارس میں آباد تھا۔ انھی کے نام پر یہ خطہ زمین شبان کارہ کہلایا[ف۱]۔ اس کا ایک بڑا قصبہ ایگ (معرّب ایج) ہے۔ قاضی عضد شافعی مذہب اشعری بالعقاید جن کی تصنیف مواقف مع شرح میر شریف آج تک متداول ہے یہاں ہی کے رہنے والے اور شاہؒ کے اساتذہ میں سے تھے۔ خواجہ حافظ ایک قطعہ میں کہتے ہیں کہ چند سال پیشتر ملک فارس پانچ غیر معمولی ہستیوں سے آباد تھا۔ من جملہ اُن کے۔ بیت

دگر شہنشہ دانش عضد کہ در تصنیف بنائی کار مواقف بنام شاہ[ف۲] نہاد

سید عبد اللہ کا صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ پیری مریدی کیا کرتے تھے اور مکران کی راہ سے ہندوستان کے صوبہ کچھ تک پہنچے۔

کہا جاتا ہے کہ شاہؒ شہر حلب میں بروز پنج شنبہ ۲۲ رجب ۷۳۰ھ یا ۷۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت حلب میں اسی صورت میں یقین کی جا سکتی ہے کہ اُن کے والد نے فارس میں شادی کی۔ وہاں سے کچھ آئے پھر حلب کو لوٹے جہاں شاہؒ پیدا ہوئے اور یہاں سے شیراز واپس آئے جہاں شاہؒ کے طالب علمی کا زمانہ گذرا۔ ولادت کے روز و ماہ بھی شبہ سے خالی نہیں کیونکہ یہی روز و ماہ اُن کی وفات کے بھی بتائے جاتے ہیں حالانکہ ایسا ہونا غیر ممکن نہیں۔

ف۱۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن بابتہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۸ مضمون بر نزہتہ القلوب حمد اللہ مستوفی۔

ف۲۔ شاہ شیخ ابو اسحٰق انجو۔ قدیم دستور کے مطابق مصنف نے حمد و نعت کے بعد بادشاہ وقت کا نام لکھا ہے کسی خاص طور پر ممنون نہیں کیا ہے جیسا کہ اس بیت سے گمان ہوتا ہے۔

۳

شاہؒ کے طالب علمی کے زمانہ میں علاقہ فارس کا حکمراں وہاں ہی کا رہنے والا شاہ شیخ ابو اسحٰق انجوؔف تھا۔ یہ ایک نہایت خدا ترس اور پاکباز شخص تھا۔ اس کڑے جاپے کا زمانہ تھا کہ خراسان سے مبارز الدین مظفری شیراز پر حملہ آور ہوا شہر کو آسانی سے فتح کر کے شاہ ابو اسحٰق کا خاتمہ کر دیا اور خاندان مظفری کے حکومت کی بنیاد ڈالی اس خاندان میں شاہ شجاع سب سے نامور گذرا ہے۔ خواجہ حافظ نے اس کی اور شاہ ابو اسحٰق کی مدح سرائی کی ہے۔ ایک قطعہ میں آخر الذکر کی تاریخ قتل ذال ونون یعنی ۷۵۴ھ لکھی ہے۔

واضح رہے کہ اس وقت اور اس کے تقریباً ڈیرہ سو برس بلعد یعنی آغاز عہد صفویہ تک اہل ایران سُنی مذہب رکھتے تھے۔ بڑے بڑے فقہا و متکلمین اس سرزمین سے اُٹھے جو فقہ میں حنفی یا شافعی تھے اور عقائد میں ماتریدی یا اشعری۔ خاص شہر شیراز میں قاضی عضد قاضی شہر تھے۔ ان کے بعد علامہ تفتازانی و سید شریف نے شہرت پائی جن کی تصنیفیں عقاید پر سنیوں میں آج تک متداول ہیں۔ مزید براں اس وقت ایران میں تصوف کا بڑا چرچا تھا۔ خواجہ بہار الدین نقش بند انہی لوگوں کے ہمعصر تھے اور معتقدین کا جم غفیر ساتھ رکھتے تھے۔ تشیع قہستان وغیرہ میں جا بجا پائے جاتے تھے مگر قلیل تعداد میں اور رو پوش۔ یہ بھی دو فرقوں میں بٹے ہوئے۔ ایک اثنا عشری دوسرے سبعی اسمٰعیلی۔

قاضی عضد کے علاوہ شاہؒ کے دیگر اساتذہ ابتدائی تعلیم کے لئے شیخ رکن الدین شیرازی۔ بلاغت میں شمس الدین مکی۔ کلام و الٰہیات (فلسفہ) میں سید جلال الدین

ف۔ انجو شیراز کے ایک محلہ کا نام ہے۔

خوارزمی بتائے جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے طریقہ صوفیہ اختیار کرنے کے پیشتر علوم متداولہ میں کافی دست گاہ حاصل کرلی تھی اور یہ ان کی آئندہ روش کے لئے مفید ثابت ہوا کیونکہ جیسا ملّا جامی نے فرمایا ہے معرفت بے علم محال ہے[ف]۔ اپنی تصنیفات میں جو ایّام طالب علمی کے بہت برس بعد کی ہیں وہ فقہ۔ کلام الٰہیات کو ہیچ بتاتے ہیں۔ اس بات کو دیوان میں مختلف پیرایوں میں بار بار دہراتے ہیں اور ابوحنیفہ۔ شافعی۔ زمخشری۔ اشعری۔ ابن سینا پر اپنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن یہ تینوں علوم فلسفیانہ یا نیم فلسفیانہ ہیں اور یہ مسلم الثبوت ہے کہ ان کی تحصیل سے ذہن صاف ہوجاتا ہے اور استدلال کا مادّہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ان کی تصانیف سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں اثر ان پر یقینی ہوئے اور ان کی ابتدائی تعلیم رائیگاں نہ گئی۔ بلکہ وہ اسی کم سنی میں علمی مباحثوں میں شریک ہونے لگے۔

چونکہ روحانیت ان کے خمیر میں تھی اور دل ابھی سے بادہ عرفان سے چور تھا اس لئے مباحثے بھی مرصاد العباد و فصوص الحکم جیسی تصوّف کی دقیق کتابوں پر ہوا کرتے تھے۔ اوّل الذکر شیخ نجم الدین رازی عرف دایہ کی تصنیف مبدا و معاش معاد پر مشتمل ہے جو گروہ صوفیہ میں بڑی مقبول تھی۔ دوسری کتاب شیخ محی الدین ابن عربی کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ یہ اگرچہ ان کی دوسری تصنیف فتوحات مکیّہ سے حجم میں بہت کم ہے تاہم کہا گیا ہے کہ فصوص جانست و فتوحات دل اور اسی کی بنا پر شیخ پر کفر کا الزام عاید کیا گیا ہے۔ معاونین کہتے ہیں کہ اس تکفیر کا سبب غموض معانی اور ان کی اصطلاحات سے عدم واقفیت ہے

ف۔ نفحات الانس مطبوعہ کلکتہ۔ صفحہ ۷۔ بعض صوفیائے کرام کے نزدیک عمل کے بعد علم خود بخود حاصل ہوجاتا ہے۔

بعد تحصیل علوم اولیاء اللہ کے دریافت کرنے کا اور ان کی صحبت سے مستفید ہونے کا شوق دامن گیر ہوا۔ اس شوق میں یا شاید شیراز میں تبدیل حکومت کی وجہ سے جو انہی ایام میں مبارز الدین مظفری کی فتح سے واقع ہوئی شاہؒ نے وطن کو خیرباد کہا اور حج کا قصد کیا۔

۴

چھٹی صدی ہجری کے وسط میں محمد بن تومرت کے ساتھ اسپین میں بربروں کی حکومت قایم ہوئی جو تواریخ میں سلطنت موحدین کہلاتی ہے۔ اس کے قبل وہاں اہل عرب حکمراں تھے اور انھیں کی علمیت و تمدن نے اہل یورپ کو حیرت میں ڈال رکھا تھا۔ برخلاف ان کے بربرون میں جہالت کے ساتھ مذہبی گرم جوشی تھی جس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں یہودی اسپین سے بھاگ گئے۔ بہت سے عیسائی ان کی عمل داری سے نکل کر ملک کے دوسرے حصوں میں جہاں اُن کے ہم مذہب برسر حکومت تھے پناہ گزیں ہوئے۔ مسلمان فلاسفہ اور صوفیہ بھی اُن کے تشدد سے نہ بچ سکے۔ بہتوں نے وطن چھوڑ کر مشرق کا رُخ کیا۔ ان میں سے دو بالخصوص یہاں پر قابل ذکر ہیں۔ ایک تو شیخ محی الدینؒ ابن عربی جن کا ذکر ابھی ہوا۔ یہ ایک مدت دراز تک مکہ معظمہ میں رہ کر دمشق میں ۶۳۸ھ میں پیوند خاک ہوئے۔ دوسرے شیخ قطب الدین عبدالحق ابن ابراہیم المرسی معروف بہ شیخ ابن سبعین[ف۱]۔ یہ بہت بوڑھے ہو کر مکہ معظمہ ہی

ف ۱۔ تاریخ یافعی میں واقعات سنہ تسع وستین وستمائۃ ۶۶۹ کے ضمن میں شیخ ابن سبعین کے بارہ میں علامہ ذہبی کا قول منقول ہے کان من زھاد الفلاسفۃ ومن القایلین بوحدۃ الوجود لہ تصانیف واتباع ان کی شہرت بحیثیت ماہر فلسفہ یونان یورپ تک پہونچی ہوئی تھی۔ شاہنشاہ روم فرڈرک ثانی کے نام ان کا ایک مراسلہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔

میں ۶۶۹ھ میں نوت ہوئے۔ یہ دونوں فلسفہ یونان کے دلدادہ تھے اور وحدت الوجود کے قایل۔ دونوں نے بعد وفات ایک ایک جماعت اپنے مقلدین کی چھوڑی۔ آخر الذکر کے انتقال کے تین برس بعد قونیہ میں مولانا روم نے وفات پائی۔ چونکہ ان کی زبان[ف۱] عام فہم فارسی تھی ان کے ارشاد کا غلغلہ ان کی حیات ہی میں دور تک پہنچ چکا تھا۔ ۷۳۰ھ میں شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشی مولف اصطلاحات الصوفیہ نے وفات پائی۔ یہ دونوں بھی وحدت الوجود کے قایل تھے۔

اگرچہ اسی زمانہ میں شام میں علامہ ابن تیمیہ بھی گذرے ہیں جنھوں نے شرک و بدعت خصوصاً قبر پرستی کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ مگر ان کی جاں فشانیوں کا نتیجہ یہی ہوا کہ جب وہ سپرد خاک ہوئے تو ان کے معتقدین نے ان کے قبر کی پرستش شروع کر دی[ف۲]۔

کہتے ہیں کہ شاہؒ مکہ معظمہ میں ۲۴ برس کی عمر میں پہنچے یعنی قریب ۷۵۵ھ کے۔ گمان غالب ہے کہ اس وقت تک وہاں شیخ ابن عربی و شیخ ابن سبعین کی تعلیم کا سلسلہ مفقود نہ ہوا ہوگا۔

مکہ معظمہ پہونچکر شاہؒ امام یافعی کے حلقہ ارشاد میں شامل ہوئے۔ ان کا پورا نام ابوالسعادات عفیف الدین عبداللہ بن اسعد ہے اور یہ مرید تھے شیخ ابوالحسن نورالدین علی بن عبداللہ الیمنی الطواشی کے۔ طواش افریقہ کے قوم بربر کے ایک قبیلہ کا نام ہے جس کی رعایت سے شاہؒ نے اپنے سلسلہ ارادت میں ان کو صالح بربری کہا ہے۔ ان کے بارہ میں امام یافعی لکھتے ہیں۔

فکان یسافر مع ابیہ و اخوتہ فاذا دخلوا السوق التجارات ...... حتی

ف۱۔ برخلاف ابن سینا۔ ابن عربی وغیرہ کے جو عوام سے اپنے مطالب پوشیدہ رکھنے کی غرض سے قصداً دشوار طرز بیان اختیار کرتے تھے۔ ف۲۔ مکڈانلڈ۔ ڈولپمنٹ آف مسلم تھیالوجی صفحہ ۲۷۸

حصل لہٗ من بعضھم تعلیم الاسم الاعظم

شاہؒ کہتے ہیں کہ امام یافعی خود بھی عارف اسم اعظم تھے ۔ انھوں نے چالیس برس حرمین شریفین کے درمیان بسر کئے جس کے باعث اُن کو قطب مکہ کہا گیا ہے ۔ ان کی بہت سی تصنیفیں ہیں جن میں تاریخ یافعی مشہور و معروف ہے۔ ۷۶۸ھ میں انتقال کیا۔ ان کے بارہ میں دولت شاہ کا قول ہے ۔

فضیلت شیخ عبداللہ یافعی راہمیں سعادت بس است کہ ہمچو سید نعمت اللہ عارفی از دامن تربیت او برخاستہ کہ بزرگان عالم بر تحقیق و تکمیل سید نعمت اللہ متفق اند۔

شاہؒ نے ان کے بعض رسالوں کی شرحیں لکھی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ ان کے اکثر خیالات و جذبات ان کے مرشد کے خیالات و جذبات پر مبنی ہیں اور آخر الذکر کی بنیاد تصانیف ابن عربی ہے باوجودیکہ شاہ شیعہ اور ان میں سے ایک شافعی اور دوسرے ظاہری مذہب کے پابند تھے ۔ شاہؒ نے خود ابن عربی کی بعض تصانیف کی شرح اور ان کے دو مقلدین مولانا عراقی کے لمعات کی شرح اور شیخ عبدالرزاق کاشی کی اصطلاحات الصوفیہ کا خلاصہ لکھا ہے ۔

امام یافعی کی خدمت میں شاہؒ سات برس رہکر ان سے اجازت ارشاد و خرقہ خلافت حاصل کیا۔ مکہ ہی میں قطب الدین رازی سے بھی ملے جن کی شرح شمسیہ عرف قطبی آج تک داخل درس ہے۔

۵

مکہ معظمہ سے نکل کر مصر و شام و عراق ہوتے ہوئے اور ہر جگہ جہاں سے گذرے وہاں کے فقرا و درویشوں سے ملتے ہوئے شمالی ایران کی راہ سے ماوراء النہر آئے ۔ کچھ روز شہر سبز میں قیام کیا ۔ یہ مردم خیز شہر سمرقند کے مضافات میں ہے اور مختلف وقتوں میں مختلف ناموں سے موسوم رہا ہے ۔ چاچ ۔ شاش ۔

کاش۔ کش۔ تاش۔ تاش قند سب ایک ہی شہر کے نام ہیں[ف۱]۔ یہاں سے جنوب کی طرف پھرے۔ کوہ صاف پہنچے جو درمیان سمرقند و بلخ کے ہے۔ دولت شاہ کا بیان[ف۲] ہے کہ

کشائش کار جناب سیادت مآبی در کوہ صاف بود کہ در نواح بلخ است و آں کوہیست مبارک و قدم گاہ رجال اللہ مشہور است کہ سید چہل اربعین در آں منزل مبارک برآورد و دریں باب می فرماید۔ بیت

ظاہرم در قہستاں و باطنم در کوہ صاف — صوفیاں صاف را صد مرحبا باید زدن

دولت شاہ ان کو بجائے کرمانی کے کوہستانی ہی کہتے ہیں۔ مجمع الفصحا میں یہ مضمون کچھ بڑھا کر مذکور ہے۔

درکوہستان[ف۳] سمرقند اربعین ہا داشت و در سرمای زمستاں فرداً وحیداً درآں مغار بریاضت بسر برد و از کثرت برف راہہا مسدود شد۔ چوں در بہار صیاداں درآں کوہسار شدند و برف بگداخت سید را در غارے دیدند و متحیّر ماندند۔

حال کے یوروپین سیّاح بھی ان اطراف کی برف باری ایسی ہی سخت اور دیرپا بتاتے ہیں۔ غرض سمرقند و بلخ کے درمیان شاہؒ نے بڑی بڑی ریاضتیں

ف۱۔ اسی شہر میں امیر تیمور ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا۔ بدر چاچ شاعر۔ شاشی صاحب اصول۔ عبدالرزاق کاشی صاحب اصطلاحات الصوفیہ۔ عبدالرزاق سمرقندی سیاح و مورخ سب یہاں ہی کے تھے۔ زمانہ قدیم میں یہاں کا کمان مشہور تھا۔ شاہنامہ میں رستم کہتا ہے۔

ستارہ فرو ریزد از ترکشم — ہر آنگہ کہ چاچی بزہ در کشم

ف۲۔ تذکرۃ الشعرا مرتبہ براون صفحہ ۳۳۳۔ ف۳ و نام کوہے ہم است از خراسان کہ آں را کہستاں ہم می گویند و معرّب آں قہستان است و بہ تعریب اشتہار دارد و قبل ازیں سمرقند را نیز گفتہ اند۔ برہان قاطع۔

کیں اور یہاں سے ان کی زندگی میں نمایاں فرق پیدا ہونے لگا۔ طالب علمی اور تلاشِ حق کا زمانہ اختتام کو پہنچا اور ارشاد و کرامات کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔ معتقدین بھی گروہ در گروہ ساتھ جمع ہونے لگے۔

اسی زمانہ میں ایک اور زبردست ہستی کا نام صفحۂ تاریخ پر چمکنا شروع ہوتا ہے۔ ۱۳۷۰ء میں ترکوں کی ایک عظیم الشان قومی مجلس جس کو قرل تائے کہتے ہیں منعقد ہوئی جس میں تیمور بگ جو دس برس کی فتح و شکست کے بعد اپنے کل رقیبوں کو زیر کر چکا تھا بلقب صاحب قرآن سارے ماوراء النہر کا فرمان روا تسلیم ہوا۔ چند سال گذرنے پر اس کے دل میں تسخیر ممالک و جہاں کشائی کا ولولہ پیدا ہوا۔ اس وقت اس کے مزاج میں امیر کلال کو بڑا دخل تھا۔ یہ اس کے پیر تھے اور بعد کو داماد بھی ہوئے۔ لڑکی کے ساتھ تیمور نے ان کو ایک جرگہ تاتاریوں کا جو شام سے آکر خراسان میں بس گیا تھا نذر کیا۔ یہ جرگہ ان کے خاندان کی خدمت میں آج تک مصروف ہے اور جرگۂ تیموری کہلاتا ہے[ف۱]۔ چونکہ شاہؒ کے مریدوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس لئے ان سے امیر کلال کو رقابت کا اور امیر تیمور کو بغاوت کا خوف ہوا۔

حکایت از مجمع الفصحا۔ در حدود کوہستان اور گنج[ف۲] بواسطہ بعض کرامات ہزار کس با سید اظہار ارادت کردند۔ امیر سید کلال کہ مشایخ نقش بندیہ بود[ف۳] و انتساب

ف۱۔ کرنیل سیٹ۔ سفر نامہ خراسان صفحہ ۳۵ و ۳۸۔

ف۲۔ ترکی اور گنج۔ فارسی گرگانج۔ عربی جرجان پایۂ تخت خوارزم جو آج کل خیوا کہلاتا ہے۔

ف۳۔ خواجہ بہاء الدین را نظر قبول بفرزندی از خدمت خواجہ محمد بابا سماسی است و تعلیم آداب طریقت بحسب صورت از سید محمد کلال۔ نفحات صفحہ ۴۲۹

دارند ازیں معنی بر آشفت۔ خدمت امیر تیمور سعایت کرد کہ سید را داعیۂ خروج سلطنت است۔ او را ازیں صفحات باید بیروں کرد کہ فسادی روے ندہد۔ چوں سید مستحضر شد فرمود۔ تا حلوائے امیر کلال را نخوریم از خراسان[۱] بیروں نرویم۔ و آخر چناں شد کہ فرمودہ بود۔ مع القصہ چوں امیر کلال در خدمت امیر سخنان مفسدانہ گفت و امیر تیمور در یکے از مغارات بدیدن سید رفتہ بعد از صحبت اظہار کردہ کہ شما از ولایت ما بیروں روید۔ سید بعد از تامل گفتہ۔ بہر ملک کہ سیر کردم مملکت شما بود۔ پس کجا باید شد۔
آخر کار شاہؒ نے امیر تیمور کی عملداری سے باہر نکل کر دل کا بخار ایک قطعہ کی صورت میں نکالا۔

قطعہ

نیم تنے ملک جہاں را گرفت — گشتہ گدا خسروی روئے زمین[ن]
پائے نہ و چرخ بزیر رکاب — دست نہ[۲] و ملک بزیر نگیں
ملک خدا میدہد۔ ایں جا کراست — زہرہ کہ گوید کہ چناں یا چنیں[۳]

ایک دوسرا قطعہ بھی اغلباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ قطعہ

دست بر دست خود مزن خواجہ — دست بر دست شاہ مرداں زن

ف۱۔ اس زمانہ میں خراسان ایک وسیع ملک کا نام تھا جس میں ہرات۔ بلخ۔ مرو۔ شامل تھے۔ آج کل اس کا کچھ حصہ افغانستان میں اور کچھ حصہ ایران میں باقی جمہوریات روس میں آگیا ہے۔

ن۔ چشم کشا قدرت یزداں ببیں۔ دیوان۔ ف۲ تیمور نہ صرف لنگ تھا بلکہ ایک ہاتھ سے معذور بھی۔

ف۳۔ مجمع الفصحا میں لکھا ہے کہ شاہؒ کا یہ قطعہ دیوان خواجہ حافظ میں تخلیط پا گیا ہے۔ لیکن دیوان مذکور کے معمولی چھاپوں میں اس کا نام و نشان نہیں۔ البتہ نفحات میں ایک نظم حکیم سنائی کی پائی جاتی ہے جس کو انھوں نے اپنے حسب حال کہا تھا۔ اس کے دو شعر یہ ہیں ؎

بسکہ شنیدی صفت روم و چین — خیز و بیا ملک سنائی ببیں
پائے نہ و چرخ بزیر قدم — دست نہ و ملک بزیر نگیں

ملک توراں گذار و خوش می باش | آتشے در وجود ایراں زن
درخرابات رو و خوش بنشیں | طعنہ بر مملکت سلیماں زن

انہی ایام میں انھوں نے ہرات کے ایک سید صحیح النسب میر عماد الدین حمزہ حسینی کی لڑکی سلطان بخت سے نکاح کر لیا۔ صاحب مجمع الفصحا کا بیان ہے کہ یہ نکاح میر حسینی سادات مولف کنز الرموز و مصباح الارواح کی وساطت سے انجام پایا۔ لیکن میر حسینی سادات جو ان کتابوں کے مولف اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے اس تقریب کے نصف صدی پیشتر یعنی ۷۱۸ھ میں گذر چکے تھے۔

بعد ازاں کرمان پہنچے۔ جہاں ان کے فرزند امیر برہان الدین خلیل اللہ بتاریخ یازدہم ماہ شعبان ۷۷۵ھ پیدا ہوئے۔ سارے دیوان میں یہی ایک تاریخ پائی جاتی ہے۔ یہاں سے نکل کر لبنان آئے۔ یہ وہ لبنان نہیں جو ملک شام میں ایک مشہور پہاڑ ہے بلکہ مضافات اصفہان میں ایک دیہات تھا۔ ہزاروں مرید شامل تھے جن سے ایک بستی آباد ہو گئی۔

اس کے بعد شاہؒ کے حالات کا تقریباً تیس سال تک پتہ نہیں چلتا۔ معاملات ملکی پر نظر ڈالنے سے یہ راز کھل جاتا ہے۔ ۷۸۲ھ سے سارا ایران امیر تیمور کی جولاں گاہ بن گیا تھا۔ اس سال وہ شیخ زین الدین ابوبکر خوافی سے ملا۔ انھوں نے اس کے حق میں بہت کچھ دعائیں دیں۔ پھر غیاث الدین علی والی خراسان کو جو ترکوں کے قبیلہ قرت سے تھا شکست دی۔ اس کے بعد دو سال مسلسل ایران پر حملہ آور رہا۔

اس وقت شیراز میں مظفریوں کی حکومت تھی۔ ان میں شاہ شجاع کا نام اب تک زندہ ہے اس سبب سے کہ خواجہ حافظ کا وہ ممدوح تھا۔ یہ اٹھارہ سال نیک نامی کے ساتھ حکمرانی کر کے ۷۸۶ھ میں فوت ہوا۔ حافظ قرآن، عربی و فارسی کا شاعر اور شاہؒ کا معتقد تھا۔ اس کے جانشین زین العابدین کو امیر تیمور نے اپنے پاس

طلب کیا۔ اس کی عدول حکمی پر امیر نے شیراز کی طرف کوچ کیا۔ راستہ میں اصفہان میں قتل عام کیا اور مقتولوں کے سروں کا کلہ منار تعمیر کیا ف۱۔ دو برس بعد مظفریوں کو مغلوب کر کے شیراز پر قبضہ کر لیا۔ اسی موقعہ پر کہا جاتا ہے کہ خواجہ حافظ کو اپنے پاس بلایا تھا ف۲۔ شیراز۔ اصفہان۔ کرمان۔ سرجان پر اپنے سرداروں کو حاکم بنا کر سمرقند واپس لوٹا اور اپنے ساتھ علامہ تفتازانی و سید شریف کو لیتا گیا۔ ۷۹۳ھ میں جرجان و مازندران کے سادات کو جو فضل اللہ بانی فرقہ حروفی کے پیرو تھے تہ تیغ کیا۔ ۷۹۵ھ میں شیراز پر دوبارہ لشکر کشی کی۔ شاہ منصور پر نصرت حاصل کر کے مظفریوں کا خاتمہ کر دیا۔ غرض کہ اس زمانہ میں سارا ایران اس شاہباز کے پنجہ میں گرفتار تھا ف۳۔

ف۱۔ تاتاریوں کا پرانا دستور تھا کہ جب لڑائی کا میدان مارتے تھے تو میدان جنگ میں کسی اونچی جگہ پر ایک بڑا سا گڑھا کھود کر اس میں مقتولوں کا سر بھر دیتے تھے اور اس پر ایک عمدہ عمارت مثل منار بناتے تھے۔ اسی کو کلہ منار کہتے ہیں۔ انگریزی میں پیرٹس آف ہڈس۔ ہندوستان میں ایک کلہ منار ہمایوں کے عہد ثانی میں بیرم خاں نے افغانوں کے سر کا بمقام سرہند تعمیر کیا تھا۔ اس کے بجائے اس کے بیٹے عبدالرحیم خاں خاناں نے احمد آباد میں جس جگہ پر مظفر خاں گجراتی پر فتح پائی تھی ایک باغ لگایا۔ دربار اکبری صفحہ ۶۴۸ کلہ مناروں کی تعمیر سے گبن و دیگر مورخین یورپ تیمور کی خوں خواری ثابت کرتے ہیں لیکن اس سے غرض کچھ اور نہ تھی سوا اس کے کہ فتح کی یادگار رہے اور مفتوح قومیں مرعوب ہو کر سرکشی نہ کریں۔ ف۲ نقل از آتش کدہ۔ خواجہ را امیر تیمور احضار کردہ گفت کہ تو سمرقند و بخارا را کہ وطن مالوف من است بخال ہندوے بخشندہ۔ خواجہ بدیہہ گفت ازیں غلط بخشی ہاست کہ بدیں فقر می گذارم۔
ف۳ نقل ہے کہ ایک مرتبہ صاحب قرآن کا گذر مقبرۂ فردوسی پر ہوا شاعر کو خطاب کر کے کہا ؎

سراز قبر بردار و ایران ببیں ۔۔۔ دلیری شیراں توراں ببیں

فوراً قبر سے آواز آئی ؎ گذشتند شیراں ازیں مرغزار ۔۔۔ کنند روبہ لنگ ایں جا شکار

بعض مورخین اس زمانہ کو ایران کے لئے قیامت صغریٰ کا زمانہ کہتے ہیں۔

۶

صاحب قرآن نے ۸۰۷ھ میں انتقال کیا۔ اس کا ایک بیٹا عمر شیخ مرزا اس کی حیات میں وفات پاچکا تھا۔ امیر نے اس کے ایک بیٹے پیر محمد کو مرتے وقت اپنا جانشین نامزد کیا مگر اس کی اس وصیت پر عمل درآمد نہ ہوا۔ ایک مدت تک خانہ جنگی رہی۔ اس وقت پیر محمد فارس پر قابض تھا اور اس کے دو بھائی رستم اصفہان میں اور اسکندر ہمدان میں حکومت کرتے تھے۔ آخر الذکر نے فارس ۸۱۲ھ میں اور اصفہان ۸۱۳ھ میں اپنے بھائیوں سے چھین کر پورے عراق عجم پر بلقب جلال الدین اسکندر بڑے شان و شکوہ سے بادشاہی کرنے لگا۔ شمال میں امیر تیمور کے ایک چھوٹے بیٹے شاہ رخ مرزا نے جس کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا خراسان و ماوراء النہر پر قبضہ کرکے پایہ تخت سمرقند سے ہرات کو تبدیل کر دیا۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ اسکندر نے اپنے بھائیوں کا ملک چھین لیا ہے اور ممالک تیموری کے دوسرے حصوں کی تسخیر کا ارادہ رکھتا ہے تو یہ ۸۱۷ھ میں عراق پر حملہ آور ہوا۔ جنگ میں فتح پاکر اسکندر کو گرفتار کرلیا۔ خود نرم دل تھا مگر اپنی بیوی گوہر شاد کی اغوا سے ۸۱۷ھ میں دو چشم آں شاہزادہ کہ غیرت حورعین بود ہمچوں عین نرگس از کسوت نور عاری ساخت[1]۔ سلطان اسکندر کا دار الحکومت اصفہان تھا۔ اس کے دربار میں فضلاء روزگار کا مجمع رہتا تھا۔ شاہؒ اس کے عہد میں تفت میں قیام کرتے تھے جو مضافات یزد میں ایک پرفضا مقام تھا۔ یہاں انھوں نے ایک خانقاہ بنائی تھی۔ اسکندر ان کو چار سال تک اس علاقہ کے متوجہات دیتا رہا۔ ایک مرتبہ اس نے شاہؒ

ف۱ حبیب السیر جزء سیم از جلد سیم۔ دولت شاہ۔ تذکرۃ الشعراء صفحہ ۳۷۰

سے کچھ سوال کئے۔ انھوں نے جواب میں ایک رسالہ تصنیف کرکے اس کے پاس بھیجدیا جو ان کے دیگر رسایل کے ساتھ اب تک موجود ہے۔

اس کے دربار سے دو اور نامی شخص تعلق رکھتے تھے۔ ایک میر شریف جرجانی۔ دوسرے شیخ ابواسحٰق اطعمہ۔ اوّل الذکر سے ایک زمانہ واقف ہے۔ ان کی شرحیں اور حاشیئے آج تک عربی مدرسوں میں داخل درس ہیں شاہ شجاع کے عہد میں یہ شیراز کے دارالشفا میں مدرس تھے۔ امیر تیمور ان کو اپنے ساتھ سمرقند لیتا گیا۔ اس کی وفات پر یہ شیراز واپس آئے اور وہاں ہی ۸۱۶ھ میں مدفون ہوئے انھوں نے فن تصوف اگرچہ شیخ علاءالدین عطار بخاری سے حاصل کیا تھا تاہم شاہؒ کے بھی حلقہ بگوشوں میں سے تھے جیسا کہ مجمع الفصحا کی حکایات ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

حکایت۔ وقتے کہ جناب سید (شاہؒ) از کرمان بہ شیراز می آمد از راہ قلات[1] کہ مرقد سعدی است عزم شہر داشت۔ سید شریف و دیگر فضلاء شیراز باستقبال رفتند مقارن ایں حال بارانے گرفت۔ میر سید شریف گفت۔ الحمد للہ عجب لطف الٰہی متوجہ است۔ نعمت اللہ معنا و نعمت اللہ علینا۔ ذالک فضل اللہ بنا۔

حکایت۔ روزے مقرر بود کہ در قفصہ[2] جامع عتیق با میرزا اسکندر بن عمر شیخ

ف[1] (قلات گازراں شیراز میں ایک مقام ہے جہاں شیخ سعدی مدفون ہیں۔

ف[2] ۔ بعض جامع مسجدوں میں بادشاہ کے لئے تھوڑی سی جگہ گھیر دیا کرتے تھے جس کو عربی میں قفص۔ قفصہ اور فارسی میں قفس۔ پنجرہ کہتے ہیں۔

فیضی جب پہلی دفعہ دربار اکبری میں پہنچتا ہے تو کہتا ہے۔ **قطعہ**

پادشاہا درون پنجرہ ہم　　از سر لطف خود مرا جادہ　　زانکہ من طوطی شکر خایم　　جاے طوطی درون پنجرہ بہ

دربار اکبری صفحہ ۳۶۰

نماز گذراند۔ حافظ رازی سجادہ میر سید شریف را بر طرف دست راست میرزا اسکندر بگسترد و سجّادہ سید نعمت اللہ را بجانب چپ۔ ناگاہ سیّد از در بزرگ بازار ظاہر شد۔ مردم چناں باژدحام بدست بوسی رفتند کہ بیم آں بود کہ سیّد شریف درزیر دست و پائے خلق ہلاک شود۔ سیّد دست اورا گرفتہ بہمراہ آورد تا داخل قفصہ شدند۔ میر سیّد شریف دید کہ حافظ رازی کہ از تلامذہ اوست سجّادہ اورا بر دست راست انداختہ۔ بنا برادب اورا برچید و بر دست چپ گسترد و سجّادہ سیّد را بجائے آں گسترد۔ حافظ رازی گفت۔ چرا چنیں کردی۔ سید شریف گفت۔ بگذار کہ تو حال اولیا راندانی۔

فخرالدین ابواسحٰق احمد حلّاج شیرازی تخلص بسحٰق۔ عرف اطعمہ ایک فاضل شخص تھے اور مولانا و شیخ کہلاتے تھے۔ مصنّف۔ کنز الاشتہا۔ قصیدہ کجری۔ تاریخ پلاؤ وغیرہ۔ ان کے کلام میں ایسے کھانوں کے نام اور ان کے پکانے کے ظروف کی طرف اشارہ ہے جو کم از کم اب ہندوستان میں مستعمل نہیں۔ اس لئے ان کے اشعار سے وہ حظ نہیں ملتا جو ان کے ہموطن و معاصرین پاتے تھے۔ شیخ سعدی۔ خواجہ حافظ۔ سلمان ساوجی وغیرہ کی مشہور نظموں کی تضمین اپنے مذاق کے موافق کیا کرتے تھے۔ کاتبی نیشاپوری ان کی شان میں کہتا ہے۔ قطعہ

شیخ بسحٰق دام نعمتہ ... گرم پخت او خیال اطعمہ را
سفرہ او فگندہ از نعمت ... ہست برخوان او صلاہمہ را

حکایت۔ وقتے شاہ نعمت اللہ گفتہ بود۔ ؎

گوہر بحر بیکراں مائیم ... گاہ موجیم و گاہ دریائیم
ما بدیں آمدیم در دنیا ... کہ خدا را بخلق بنمائیم

وے (بسحٰق) گفتہ است ؎

رشتہ لاک[1] معرفت مائیم — گہ خمیریم و گاہ بغرائیم
ما ازاں آمدیم در مطبخ — کہ بماہیچہ قلیہ بنمائیم

سید قبل از ملاقات چوں جمعے را دید کہ وے نیز در آں میاں بود روے نوے کردہ گفت رشتہ لاک معرفت شمائید۔ بسحٰق گفت۔ چوں مانی توانیم از اللہ گفت۔ از نعمت اللہ میگوئیم[2]۔

شاہ کے اور رفقا میں تین شخص یہاں قابل ذکر ہیں۔

سید نظام الدین محمود واعظ شیرازی ملقب بہ داعی الی اللہ[3] علما و حکمائے روزگار میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ ابن حجر کے شاگرد۔ شارح مثنوی مولانا روم و گلشن راز۔ اور شاہ کے ہمنشین۔ جب ان کا دیوان مرتب ہوا تو انہی نے اس پر دیباچہ لکھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ ۸۶۹ھ میں مرے۔ واعظ و داعی کے القاب سے گمان ہوتا ہے کہ اسمٰعیلیہ مشنری تھے۔

سید قاسم انوار۔ مشہور شیعہ صوفی و شاعر۔ نفحات الانس میں ان کا حال مذکور ہے معین الدین ابو علی حمزہ میں علی اسفرائنی۔ ماہ آذر میں پیدا ہوا۔ اس لحاظ سے آذری تخلص کیا۔ دولت شاہ کہتے ہیں۔ در خدمت سید (شاہ) بسلوک مشغول بود و ازآں حضرت اجازت و خرقۂ تبرک دارد۔ بعد کو ہندوستان آئے۔ احمد شاہ بہمنی کے لئے بہمن نامہ لکھنا شروع کیا جو حالات دکن کے لئے طبقات اکبری و تاریخ فرشتہ کا ماخذ ہے۔ وفات ۸۶۶ھ۔

۷

آل تیمور میں شاہ رخ ملقب بہ خاقان سعید سب سے زیادہ نیک نام اور روشن

ف ۱۔ طغار۔ ف ۲۔ مجمع الفصحا۔ زیر بسحٰق۔ ف ۳۔ ایضاً زیر داعی

دماغ بادشاہ گذرا ہے۔ ملک میں امن وامان رہتا تھا اور رعایا آسودگی سے زندگی بسر کرتی تھی۔ جب اس نے ہرات کو اپنا پایہ تخت بنایا تو یہ ایک اُجڑی ہوئی بستی تھی۔ اس کو اس نے نئی نئی اور عالی شان عمارتوں سے بارونق کردیا اس کے دربار میں ہر طرح کے باکمال حاضر رہتے تھے۔ اس کا عہد شاہؒ کا بھی سب سے زیادہ بزرگی و اقتدار کا زمانہ تھا۔ ایک جمِ غفیر مریدوں کا ساتھ رہا کرتا تھا اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ شاہانہ شان وشکوہ سے پھرا کرتے تھے۔ خود کہتے ہیں قطعہ

گر بہ ایراں گر بہ توراں می روم	ہر کجا شہریست اقطاع من است
ہر کجا خواہم چو سلطاں می روم	صد ہزاراں ترک دارم در رکاب

کہتے ہیں کہ قصبہ ماہان میں جو علاقہ کرمان میں ایک پُرفضا مقام تھا اور اب بھی ہے شاہؒ نوے ہزار مریدوں کی جمعیت کے ساتھ سکونت پذیر تھے۔ بڑے بڑے علماء وفضلا ان کے مرید یا معتقد تھے۔ امرا وعمایدین ان کی صحبت کو فلاح دارین کا وسیلہ سمجھتے تھے اور ان کی خدمت میں نذریں اور تحفے بھیجا کرتے تھے جس سے دنیا داروں کے سینوں میں رشک وحسد کی آگ بھڑکی۔ شاہ رخ کے پاس ان کی شکایتیں پہنچیں شروع ہوئیں۔ کفر کا فتویٰ بھی دیا گیا۔ سلطان نے ان کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ یہ گئے اور کچھ سوال وجواب کے بعد اس کو ان کی طرف سے اطمینان ہوگیا اور وہ ان کا معتقد بھی ہوگیا۔ اس واقعہ کو دولت شاہ نے طول وطویل داستان بناکر رنگین عبارت میں حسب ذیل تحریر کیا ہے۔

حکایت کنند کہ سید را مشرب عالی بود و از نزد حکام واہل دنیا ہموارہ پیش او ہدیہ ہا وطعامہا آمدے وسید قبول کردے وآں نعمتہا را خوردے ونزد مستحقاں

ف۔ مجالس المومنین وریاض الشعراء ذکر شاہؒ

رسانیدے۔ نوبتے سلطان اعظم شاہ رخ بہادر گورگاں انار اللہ برہانہ از حضرت سیّد قدس اللہ سرہٗ سوال کرد کہ من شنوم کہ شما لقمہائے شبہ آمیز تناول می فرمائید حکمت آں چیست۔ سیّد نعمت اللہ ایں بیت در جواب میرزا فرمود۔ بیت

گر شود خون جملہ عالم مال مال   کے خورد مرد خدا الّا حلال

شاہ رخ سلطان را ایں سخن ملام نیفتاد۔ از روے امتحان بعد از چند روز خوان سالار را فرمود کہ برد۔ برّہ بظلم از عاجزے بستاں و بہا مدہ و بیار و طعامے ترتیب کن۔ خوان سالار حسب الحکم از شہر بیروں تافت۔ دید کہ پیرہ زن برّہ فربہ بر پشت گرفتہ میرود۔ فی الحال بضرب تازیانہ برّہ را از پیرہ زن درربود و بمطبخ رسانیدہ طعامے ترتیب کرد۔ سلطان سید را بدعوت حاضر ساخت و سید بمشارکت سلطان آں طعام را بکار می برد۔ سلطان شاہ رخ از سید سوال کرد کہ شما فرمودہ بودید کہ من طعام نمی خورم الّا حلال وحال آں کہ من ایں برّہ را بظلم و زجر از عاجزہٗ فرمودہ ام تا بستانیدہ اند و کیفیت بہ سید تقریر کرد۔ سیّد قدس سرہٗ فرمود کہ اے سلطان عالم تحقیق فرمائے۔ می شاید کہ حق سبحانہ را درضمن ایں مصلحتے بودہ باشد۔ سلطان فرمود تا آں ضعیفہ را حاضر ساختند و از و پرسیدند کہ ایں برّہ را کجا می بردی، واز کجا بدست آوردہ بودی۔ پیرہ زن حکایت کرد کہ من عورت بیوہ ام ورمۂ گوسفند دارم کہ از شوہر خود مہر و میراث یافتہ ام و پسرے دارم کہ دریں ہفتہ گوسفندے چند جہت سودا بہ سرخس بردہ بود۔ خبر ہائے ناملام از و می شنیدم۔ دریں حال خبر رسید کہ از طرف کرماں سیّد نعمت اللہ ولی بہرات آمدہ اند۔ نذر کردم کہ اگر فرزند من بسلامت پیش من رسد برّہ را بخدمت سیّد می رسانم و ہم درروز فرزند می بسلامت بمن رسید۔ من از شادی برّہ بر پشت گرفتہ قصد شہر کردم۔ خوان سالار شما از من آں برّہ را بظلم گرفت و من چنداں کہ تضرع کردم بجائے نرسید۔

سلطان شاہ رخ را معلوم شد کہ حق تعالیٰ باطن اولیا را از حرام و شبہ محفوظ می دارد و سید را عذر خواہی نمود و من بعد گرد امتحان نمی گردید۔

بلکہ وہ ان کا بڑا معتقد و مطیع ہو گیا۔ خود کہتے ہیں۔ بیت

غلام سیدم و پادشاہ ہر دو جہاں ۔۔۔ عجب مدار کہ سلطان بود مرا بندہ

انھوں نے اپنی زندگی کے آخری پچیس[۲۵] سال شاہ رخ کے عہد میں قصبہ ماہان میں گذارے۔ یہ ان کے بڑے فروغ کا زمانہ تھا۔ صاحب حبیب السیر لکھتا ہے۔

سلاطین زماں وحکام نافذ فرماں سرارادت بر آستان ہدایت آشیانش می داشتند وعلمار اعلام وفضلار کرام وسایر اکابر و معارف آں ایام درگاہ کعبہ اشتباہش را قبلہ حاجات می پنداشتند۔

۸

صاحب قراں نے ہندوستان سے رخصت ہوتے وقت خضر خاں کو اپنی نیابت میں پنجاب کا حاکم بنایا۔ یہ خاندان سادات کے فرماں روا [illegible] کے پہلے بادشاہ ہوئے۔ اس خاندان کے عہد میں پنجاب میں شاہ رخ [illegible] سکہ جاری تھا اور مسجدوں میں اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جایا کرتا تھا۔ بقیہ ملک میں طوایف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ ان چھوٹی خود مختار حکومتوں میں دکن کی سلطنت بہمنیہ بھی تھی۔ شاہان بہمنی اپنے کو قدیم ایران کے بہمن[ف] بن اسفندیار کی نسل سے بتاتے تھے۔ جنوب کے راجاؤں سے لڑ کر اپنی قلمرو کو وسعت دیتے جاتے تھے۔ اس سبب سے ان میں ایک طرح کا مذہبی جوش تھا اور وہ ایران سے کچھ لگاؤ بھی رکھتے

ف۔ ملقب بہ اردشیر دراز دست

تھے۔ وہاں کے فضلا اور مذہبی راہ نمایوں کی ان کے دربار اور ان کے لشکروں میں آمد ورفت تھی۔ بقیہ ملک میں افغان پھیلے ہوئے تھے اور یہ ایرانیوں سے ایک حد تک رقابت رکھتے تھے۔

۸۰۱ھ میں سلطان فیروز شاہ عرف روز افزوں شاہ بہمنی نے اپنے بیٹے حسن خاں کو اپنا ولی عہد بنا کر خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ کی خدمت میں بھیجا اور اس کے لئے دعائے خیر و فاتحہ کی درخواست کی۔ یہ شیخ نصیر الدینؒ چراغ دہلی خلیفۂ حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ تھے۔ اپنے مرشد کی رحلت کے بعد دکن آئے اور وہاں

قبولیت عظیم یافت۔ اہل آں دیار ہمہ معتقد و مطیع او گشتند ف۱

مزاران کا گلبرگہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ فیروز شاہ کی درخواست کا سید موصوف نے یہ جواب دیا کہ جب تم نے ایک کو اپنا ولی عہد بنا ہی لیا ہے تو فقیر کی دعا کی کیا حاجت باقی رہی۔ فیروز شاہ نے پھر آدمی دوڑایا۔ سید صاحب نے فرمایا۔ عالم بالا سے تاج شاہی تمہارے بعد تمہارے بھائی احمد خاں خان خاناں کو عطا ہوا ہے۔ دوسرے کے واسطے کوشش کرنی بے سود ہوگی۔ اس واقعہ کے کچھ روز بعد فیروز شاہ بیمار پڑ گیا۔ اس نے زمام حکومت دو غلاموں کے سپرد کی۔ ایک ہوشیار دوسرا بیدار۔ انھوں نے بادشاہ کے کان میں پھونکا کہ احمد خاں کو سلطنت کی ہوس ہے۔ وہ ولی عہد کو تخت نشین نہ ہونے دیگا۔ فیروز شاہ کو سید گیسو دراز کی پیشین گوئی بھی یاد آئی۔ دوسرے روز احمد خاں کو نابینا کر دینے کی رائے قرار پائی۔ مگر اس کو اس سازش کی اطلاع مل گئی اور شب ہی کے وقت

ف۱ ۔ اخبار الاخیار۔ شیخ عبد الحق دہلوی۔

وہ اپنے فرزند علاءالدین کو ہمراہ لیکر سید محمد گیسو درازؒ کے منزل پر حاضر ہوا اور ان کو سارا قصّہ سُنا کر فاتحہ کی التجا کی۔ سید موصوف نے اپنی دستار مبارک سر سے اُتار کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور اپنے ہاتھوں سے باپ اور بیٹے کے سروں پر باندھکر مژدہ سلطنت سُنایا۔

جب ہوشیار و بیدار خواب غفلت سے چونکے اور ان کو احمد خاں کے فرار ہونے کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے فیروز شاہ سے اجازت لیکر ایک بڑی فوج جمع کر کے اس کا تعاقب کیا۔ قریب تھا کہ اس کو گرفتار کرلیں کہ اتفاق سے جس جگہ احمد خاں اپنے ہوا خواہوں کے ساتھ فروکش تھا ایک گروہ بنجاروں کا پہنچا۔ ان کے ہمراہ بہت سی گائیں تھیں جن پر غلّے لدے تھے۔ اسی طرح ایک دوسرا گروہ تاجروں کا مع گھوڑوں کے وارد ہوا۔ احمد خاں کے ایک منجھلے رفیق نے رائے دی کہ یہ گھوڑے بے قیمت اور گائیں دست گرداں لیکر اپنے پیادہ سپاہیوں کو ان پر سوار کردیا جائے اور جنگ شروع کردی جائے۔ عین گرمی ہنگامہ میں جب یہ سب دور سے نمایاں ہونے لگیں تو ہم شور مچائیں کہ ہمارے طرف دار امرا اپنی اپنی جاگیروں سے ہماری کمک میں آرہے ہیں۔ اس وقت اگر خدا نے چاہا تو یہ لونڈے ہشیار و بیدار خوف کھا کر میدان خالی کردیں گے۔ مگر یہ صلاح احمد خاں کو پسند نہ آئی۔ جب شاہی فوج بہت قریب آگئی تو یہ بھاگا۔ راستہ میں ایک جگہ بڑی افسردہ دلی اور مایوسی کی حالت میں ایک درخت کے سایہ میں سوگیا۔ عالم رویا میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص درویشانہ لباس میں ایک تاج سبز دوازدہ ترک ہاتھ میں لئے اس کی جانب آرہا ہے۔ احمد خاں نے اُٹھ کر سلام کیا۔ اس شخص نے مبارک بادی دیکر اس تاج کو احمد خاں کے سر پر پہنا دیا کہ یہ تاج شاہی تمھارے لئے ایک بزرگ گوشہ نشین نے بھیجا ہے۔ اس

کے بعد ہی احمد خاں کی نیند ٹوٹ گئی۔ فوراً رفیق مذکور کو بلا کر خواب کا حال سُنایا اور کہا کہ میں اب تک پس و پیش میں پڑا تھا مگر اب اس بشارت غیبی نے مجھے آمادہ جنگ کر دیا ہے۔ الغرض اس رفیق کی تدبیر پر عمل درآمد ہوا اور میدان جنگ میں فتح حاصل ہوئی۔ پانچویں شوال ۸۲۵ھ کو وہ سریر آرائے سلطنت دکن ہوا بخطاب سلطان شہاب الدین احمد شاہ بہمنی۔ اس کے بعد دوسرے ہی مہینہ میں سید محمد گیسودراز نے اس عالم فانی سے رحلت کی۔ وہ ان کا مرید تھا اور جب تک یہ زندہ رہے ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔

بقیہ حکایت خود فرشتہ کے قلم سے حسب ذیل ہے [ف۱]

گویند کہ سلطان احمد شاہ بہمنی در عہد خویش با مشائخ و درویشان صاحب حال سلوک خوب می نمود و ہمیشہ طالب آں طائفہ بود و درآں ایام چوں آوازۂ ارشاد شاہ نعمت اللہ ولی و مقامات و کرامات او عالم گیر بود شیخ حبیب اللہ جنیدی را کہ از مریدان خاندان او بود باتفاق میر شمس الدین قمی و جمعے دیگر از اہل دل با تحائف و ہدایائے وافرہ بکرمان فرستاد تا بوکالت سلطان دست ارادت بدامن آں قطب زماں زدہ استدعائے ہمت نمایند۔ و شاہ نعمت اللہ ولی آں جماعت را اعزاز و اکرام نمودہ ملا قطب الدین کرمانی را کہ دانشمندے زندہ پوش بود و در سلک مریدان او انتظام داشت روانہ دکن گردانید و تاج سبز دوازدہ ترک در صندوق گذاشتہ بملا قطب الدین کرمانی سپرد کہ امانت سلطان احمد شاہ بہمنی است بوے برساں و چوں ملا قطب الدین بدکن رسید از دور نظر سلطان بوئے افتادہ بے اختیار

ف۱ تاریخ فرشتہ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۳۲۸

فریاد برداشت کہ این ہماں درویش است کہ درخواب زیر فلاں درخت فلاں
وقت کہ با لشکر سلطان فیروز شاہ جنگ داشتم تاج سبز دوازدہ ترک بمن دادہ بود[1]
و من چگونگی تاج دریں مدت بہ ہیچ کس نگفتہ ام۔ اگر ایں قسم تاج محجوب ایں مرد
باشد تعبیر آں خواب ہمیں خواہد بود۔ چوں ملا قطب الدین نزدیک شدہ سلام
کرد و دعائے سید نعمت اللہ ولی را رسانیدہ گفت۔ شاہ فرمودہ است کہ از
فلاں تاریخ تا حال ایں تاج را برسم امانت نگاہ داشتہ بودم۔ چوں امرے کہ
موجب فرستادنش باشد بوقوع نمی آمد تا ایں زماں امانت داری کردم۔
اکنوں کہ شیخ حبیب اللہ جنیدی آمد و تقریبے پیدا شد واجب گشت کہ امانت
شمار بشما رسانم۔ و از سلطان احمد شاہ منقول است کہ وقتے کہ ملا قطب الدین
کرمانی سخن بدیں جا رسانید حالت عجیب در خود مشاہدہ کردم و سراپا حیرت
شدہ با خود گفتم کہ اگر ایں تاج سبز دوازدہ ترک باشد جائے شک نخواہد ماند
ملا قطب الدین در عالم کشف دریافتہ گفت۔ دغدغہ بجا طرمدہ کہ تاج سبز دوازدہ
ترک است و من ہماں کسم کہ بموجب حکم شاہ ولایت پناہ فلاں روز در عالم رویا
آں را بنظر شما در آوردہ ام۔ پس من بے اختیار توت کردہ مولانا را در بغل گرفتم و پہلوئے
خود جائے دادہ صندوق را کشیدم و تاج را بصفات مذکورہ دیدہ برسر نہادم۔
جیسا کہ فرشتہ نے لکھا ہے احمد شاہ فقرا اور درویشوں کی بڑی خاطر

---

[1] اسی طرح کی ایک حکایت اسکندر اعظم کی بھی منقول ہے۔ کہتے ہیں کہ جبکہ وہ بیت المقدس کو جا رہا تھا راستہ
میں ایک جماعت ربیوں یعنی یہودی ملاؤں کی ملی اسکندر ان کے سرغنہ کو دیکھ کر گھوڑے پر سے اتر پڑا
اور اپنے ایک ندیم سے اس خلاف عادت تعظیم کی یہ وجہ بتائی کہ میں نے اس شخص کو ایک مرتبہ خواب
میں دیکھا تھا۔ تواریخ یونان و برگس ترجمہ انگریزی تاریخ فرشتہ۔

ومدارات کیا کرتا تھا۔ سادات سے خاص عقیدت رکھتا تھا اور ان کی پشت پناہی کرتا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس نے آں حضرت صلعم کو خواب میں ایک سید کربلائی کی صورت میں دیکھا۔ اس کو شیر ملک نام ایک امیر نے کسی بات پر گھوڑے پر سے گرا دیا۔ اس جرم پر احمد شاہ نے اس کو قصاب نام ہاتھی کے پیروں سے ایسا روندوا ڈالا کہ وہ بیچارہ بقول فرشتہ مردہ صد سالہ کے برابر ہوگیا۔

آگے چل کر مورخ مذکور رقم طراز ہے کہ چونکہ شاہؒ نے اپنے خط میں اس کو اپنے ہاتھوں سے اعظم الشاہان شہاب الدین احمد شاہ ولی کے الفاظ سے مخاطب کیا تھا اس لئے اس نے حکم دیا کہ اس کی تمام قلمرو میں منبروں پر اور فرامین میں انہی القاب کے ساتھ اس کا نام لیا جائے۔ مگر ایک دوسری جگہ یہی مورخ احمد شاہ کے ولی کہلانے کی اور وجہ بتلاتا ہے۔ کہتا ہے کہ اس کے جلوس کے دوسرے سال ملک میں بڑا قحط پڑا اور جب اس کے تیسرے سال بھی بارش کے آثار نظر نہ آئے تو لوگ اس کو برا بھلا کہنے لگے اور منحوس ٹھہرائے۔ احمد شاہ کو یہ سخت ناگوار ہوا ایک روز کچھ رفیقوں کو ہمراہ لیکر جنگل کی طرف نکل گیا۔ ایک ٹیلے پر بیٹھ کر اس نے چند رکعتیں نماز پڑھیں۔ پھر زمین پر سر رکھ کر اس قدر تضرع وزاری کی اسی وقت ابر گھر آیا اور بارش شروع ہوئی۔ احمد شاہ بولا میں اس فیض سبحانی سے نہ بھاگوں گا۔ رفقا باد و باراں کی شدت سے گھبرا کر کہنے لگے کہ اے احمد شاہ ولی ہم بھی تمہاری ولایت کے ہم قایل ہوئے۔ اب شہر واپس چلو۔ ان کی اصرار سے احمد شاہ عین بارش میں ان کے ہمراہ گھر لوٹا اور اسی دن سے وہ احمد شاہ ولی کہلانے لگا۔

بہر حال وہ شاہؒ کا اس درجہ معتقد و گرویدہ ہوگیا کہ جس سال اس کو تاج سبز دوازدہ ترک ملا اس نے اپنے دو درباریوں کو ان کے پاس بھیجکر

التماس ارسال یکے از اولاد امجاد نمود مگر بنا بر آں کہ آں جناب را غیر از یک فرزند شاہ خلیل اللہ نام در باغ زندگانی ثمرہ دیگر نبود جدائی او را بر خود شاق دانستہ پسر زادہ خویش میر نور اللہ بن شاہ خلیل اللہ را روانہ دکن فرمود و چوں خبر وصول او بہ بندر چیول رسید سلطان پالکی خاصہ با سید محمد صدر و میر ابو القاسم جرجانی بداں جانب فرستاد و بعد از آں کہ در حوالی دار الخلافت رسید با جمیع شہزادگان و امرا بہ پیشوائی او رفتہ قرین اعزاز و اکرام بہ شہر احمد آباد بیدر در آورد و در جائے ملاقات قریہ و مسجد ساختہ موسوم بہ نعمت آباد گردانید و میر نور اللہ را ملک المشائخ خطاب فرمودہ بر جمیع مشائخ حتیٰ بر اولاد سید محمد گیسو دراز مقدم نشانید و دخترے بوئے دادہ بداماد ی خویش معزز و مقرب گردانید۔

یہ کل واقعات نظام بدخشی نے طبقات اکبری میں اور فرشتہ نے اپنی تاریخ میں بہمن نامہ سے اخذ کئے ہیں۔ جیسا اوپر مذکور ہو چکا ہے بہمن نامہ کا ابتدائی حصہ جس میں یہ واقعات درج ہیں شیخ آذری کے قلم سے ہے جو شاہؒ کے مریدوں اور احمد شاہ کے درباریوں میں سے تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے

پیراں نمی پرند۔ مریدان می پرانند

۹

شاہؒ کا مذہب جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے تین اجزا سے مرکب تھا۔ تشیع۔ وحدت الوجود۔ سلسلہ تکوین۔

آل رسول صلعم کی فضیلتیں ان کے دیوان میں جا بجا بیان ہوئی ہیں۔ جناب امیر کی شان میں اُن کے قصیدے موجود ہیں جن کے مضامین سے اکثر اہل سُنت والجماعت اتفاق نہ کریں گے۔ ان کے اثنا عشری ہونے کے ثبوت میں ایک رباعی پیش کی جا سکتی ہے ؎

خواہی کہ ز دوزخ برہانی دل و تن — اثنا عشری شو و گزیں مذہب من
دانی سہ محمد بود و چار علی — با موسیٰ و جعفر و حسین و دو حسن

علوی[ف۱] وہ بیشک تھے مگر ان کے شیعہ اثنا عشری ہونے کا کوئی دوسرا ثبوت ان کی تصنیفات میں نہیں ملتا۔ امام مہدی کے متعلق شیعہ و سُنی کے عقاید مختلف ہیں۔ لیکن ان کے قصیدہ پیشین گوئی قیامت اور رسالہ صفات مہدی میں امام موصوف کے بارہ میں جو کچھ مذکور ہے اس میں شاید ہی کوئی ایسی بات نکلے جس پر شیعہ و سُنی آپس میں جھگڑتے ہوں۔ شاہ ؒ کی روش صلح کل تھی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُن کے اساتذہ۔ مرشد اور اکثر رفقا سُنی مذہب رکھتے تھے۔ پیری مریدی کا رواج بھی شیعوں میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ ایران میں اندنوں اس قسم کے صرف دو ہی بڑے سلسلے نظر آتے ہیں۔ ایک خاکساری دوسرے نعمت الٰہی۔

مسئلہ وحدت الوجود پر بڑی بحث ہے جس کی گنجائش یہاں نہیں صرف اتنا لکھا جا سکتا ہے کہ اس عقیدہ کا پتہ اوّل اوّل قدیم ہندوؤں کی کتاب ویدنت میں ملتا ہے جو ویدوں کا آخری جزو ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی اس کے قایلین گذرے ہیں۔ اسلام میں منصور حلاّج۔ بایزید بسطامی وغیرہ بظاہر ایسا ہی عقیدہ رکھتے تھے۔ مگر ان بزرگوں نے کوئی ایسی تصنیف نہیں چھوڑی جس سے ان کے عقاید کا صحیح پتہ ملے۔ البتہ رسایل اخوان[ف۲] الصفا میں

ف۱۔ علویوں کے متعدد فرقے جو اثنا عشری نہ تھے کتابوں میں مذکور ہیں۔ شام و عراق و عجم میں ان میں سے چند کے افراد آج کل بھی پائے جاتے ہیں۔

ف۲۔ ان رسائل کی تصنیف میں ایک ہندوستانی بھی شریک تھا۔

اس کا سراغ پایا گیا ہے مگر یہ صوفیہ کی تصنیف نہ تھی۔ شیخ ابن عربی اور ان کے متبعین نے اس عقیدہ کو اسلامی جامہ پہنا کر صوفیائے کرام کے اس گروہ میں اشاعت دیا جو علوم عقلی سے بے بہرہ نہ تھا۔ محدثین و فقہا کے علاوہ بہتیرے صوفیہ نے بھی اس کی تکفیر کی ہے [ف۱]۔

سلسلۂ تکوین کے عقیدہ کی بنیاد اس پر ہے کہ اللہ جل شانہ کی ذات مادہ سے اس قدر پاک اور برتر ہے کہ اس سے مادہ کا ذرا سا بھی لگاؤ۔ اعتبارات مثلاً خالق و مخلوق یا عالم و معلوم کے درمیان بعید از فہم ہے۔ پس مادہ کی تخلیق چند واسطوں سے واقع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے عقل کل پیدا کی۔ اس سے نفس کل کا ظہور ہوا پھر بتوسط یکے بعد دیگرے طبیعت۔ ہیولا۔ صورت۔ جسم وجود پاتے گئے۔ اس عقیدہ کا بانی حکیم فلوطینس تھا۔ جو دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے اور جو قدیم یونانیوں کی طرح بظاہر بت [ف۲] پرست تھا۔ اس کے شاگرد حکیم فرفوریس نے اس کی تعلیمات کو مدون کیا جس سے یہ عقیدہ شیخ ابن عربی وغیرہ تک پہنچا۔ انھوں نے نفس کل و عقل کل کو لوح و قلم سے تعبیر کر کے اس کو عقیدۂ وحدت الوجود کے شامل کر دیا جس سے یہ بالکل جدا ہے اور جس کا حکیم فلوطینس قایل نہ تھا۔ شاہؒ اس مثنوی میں جس کا پہلا مصرع۔ جامع مجموع اسما آدم است۔ ہے اسی عقیدہ کو بیان کرتے ہیں و للہ در من قال۔

ہر نبی و ہر ولی را مسلکیست لیک تا حق می برد جملہ یکیست

ف۱۔ نفحات الانس۔ ذکر شیخ عبدالرزاق کاشی

ف۲۔ برعکس اور بت پرستوں کے جو اپنے معبودوں کی مورتیں عجیب الخلقت یا مہیب سے مہیب شکلوں کی بنایا کرتے تھے اور ہیں۔ قدیم یونانیوں کے دیوتاؤں اور دیویوں

۱۰

دولت شاہ نے تذکرۃ الشعرا ۸۹۲ھ میں اختتام کو پہنچایا۔ یہ تذکرہ جیسا دلچسپ ہے ویسا ہی تاریخی غلطیوں سے لبریز[1] لکھتے ہیں۔

وفات سید در شہور سنہ بسبع وعشرین[2] وثمان مائہ بودہ ...... وسن مبارک حضرت از ہفتاد و پنج سال تجاوز کردہ بود کہ دعوت حق را لبیک اجابت گفت۔

آخری فقرہ کی تردید خود شاہؒ کے کلام سے ہوتی ہے ؎

نود و چار سال عمر خوشی	گو نیا آں بہ یک زماں بگذشت
نود و پنج سال عمر خوشی	ہمہ در دین مصطفیٰ بگذشت
نود و ہفت سال عمر خوشی	بندہ را داد حق پائندہ
قرب صد[2] سال عمر من بگذشت	قصد مورے نکردہ ام بخدا

پہلے فقرہ کی تکذیب دوسری کتابوں سے ہوتی ہے جو تذکرۃ الشعرا سے پیشتر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱)

کے مجسمے جو حوادث دہر سے بچ کر آج موجود ہیں حسین سی حسین صورتوں کے ہیں۔ اپولو (خورشید) مرکری (سروش) وینس (زناہید) وغیرہم کے مجسمے ان کے بنائے ہوئے آج کل بھی مرد و عورت کے لئے معیار حسن خیال کئے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ سب حسینوں کے سر پرست بھی تھے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ایک معنی میں قدیم یونانیوں کی بت پرستی ان اللہ جمیل ویحب الجمال کے برخلاف نہ تھی۔

ف ۱ ۔ تاریخ ادبیات ایران ۔ براون ۔ جلد ۳ صفحہ ۴۶۳

ف ۲ ۔ نسخہ دیوان شاہؒ کتب خانہ ٹپنہ میں بجائے صد کے شصت کا لفظ ہے ۔ مگر دیکھو صفحہ ۳۲ سطر ۱

لکھی گئی ہیں اور اس سے زیادہ معتبر مانی جاتی ہیں۔
احمد شاہ بہمنی کے بیٹے علاء الدین شاہ نے ۸۳۸ھ سے ۸۶۲ھ تک حکومت کی ہے۔ اس کے عہد میں عبد العزیز بن شیر ملک نے مناقب شاہ لکھا جس میں ان کی تاریخ وفات ۲۲ رجب ۸۳۴ھ مذکور ہے۔ یہ عبد العزیز اسی شیر ملک کا بیٹا تھا۔ جس کو احمد شاہ نے بقول فرشتہ مردہ صد سالہ کے برابر کر دیا تھا۔
عبد الرزاق کاشی یا سمرقندی مطلع السعدین کی تالیف سے بقول خود ۸۸۰ھ میں فارغ ہوا۔ تاریخی اعتبار سے یہ کتاب مستند سمجھی جاتی ہے۔ اس نے ۸۴۵ھ یعنی شاہؒ کی وفات کے چند ہی سال بعد ان کے مقبرہ کی زیارت کی ہے اور ان کی تاریخ رحلت بست و پنجم رجب المرجب ۸۳۴ھ لکھی ہے[۱]۔
مفید یزدی نے اپنے وطن کی تاریخ موسوم بہ جامع مفیدی ۱۰۹۰ھ میں مرتب کی۔ اس میں شاہؒ اور ان کی اولاد کا مفصل بیان ہے۔ اگرچہ یہ کتاب ان کی وفات کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد لکھی گئی ہے[۲] اور دور از کار افسانوں سے لبریز ہے تاہم اس میں چند قطعات تاریخ مندرج ہیں جن کو ان کے معاصرین ورفقا نے لکھے تھے۔ ان قطعات میں بھی تاریخ وفات وہی ہے جو مطلع السعدین میں مذکور ہے۔ الغرض شاہؒ کی وفات یقینی ۸۳۴ھ ماہ رجب کی ۲۲ یا ۲۵ کو واقع ہوئی۔ اس بحث کو کس قدر طول دینے کا سبب یہ ہے کہ بعض تذکرہ نویسوں

۱۔ مطلع السعدین۔ نسخہ قلمی کتب خانہ پٹنہ جلد ۲ ورق ۱۱۲

۲۔ فہرست کتب قلمی فارسی برٹش میوزیم لندن۔ زیر نسخہ دیوان شاہؒ جلد ۲ صفحہ ۶۳۵۔ جامع مفیدی کا وہ حصہ جس میں شاہؒ کے حالات مندرج ہیں ایران میں چھپ گیا ہے۔

مثلاً تقی اوحدی دوالہ داغستانی نے آنکھ بند کرکے دولت شاہ کی پیروی کی ہر نوراللہ شوستری نے تو یہاں پر کی پوری عبارت اس کی لفظ بہ لفظ مجالس المومنین میں نقل کردی ہے۔ لیکن مورخین جو ایسے واقعات کے پرکھنے کا مادہ رکھتے تھے۔ جیسے خواندمیر۔ فرشتہ۔ یحییٰ قزوینی صاحب لب التواریخ نے دھوکھا نہ کھایا ہے اور صحیح تاریخ وفات لکھی ہے۔

مطلع السعدین میں لکھا ہے کہ شاہؒ نے یہ غزل حالت نزع میں کہی تھی۔

نعمت اللہ جاں بجاناں دادورفت ... بر در میخانہ مست افتادورفت
کل شيء هالك الا وجهه ... خواند بر دنیای بے بنیادورفت
چوں ندائے ارجعی از حق شنید ... زندہ دل در عشق او جاں دادورفت
قرب صد سال غم ہجراں کشید ... عاقبت از وصل شد دل شادورفت
نعمت اللہ دوستاں یادت کنند ... تا نہ پنداری کہ رفت از یادورفت

باقی اشعار اس غزل کے یہ ہیں

سید ما بندہ خاص خدا ست ... گوئیا شد از جہاں آزادورفت
تا نہ پنداری کہ او معدوم گشت ... یا بداده عمر خود بربادورفت
بر قفس از جسم و جاں بر بستہ بود ... بند بر قفس را از و بکشادورفت
در خرابات فنا مست و خراب ... سر بپائے خم می بنہادورفت

دیوان میں کئی غزلیں یکے بعد دیگرے مندرج ہیں جن کا پہلا مصرع وہی ہے جو اس غزل کا ہے۔ اس سے اور ان غزلوں کے مضامین سے گمان ہوتا ہے کہ شاید انھوں نے موت کے قریب یا اور کسی وقت صرف یہی ایک مصرع کہا ہو گا۔ باقی مصرعے اور اشعار ان کی وفات کے بعد ان کے احباب نے مرثیہ کے طور پر جوڑ دیئے ہیں اور یہ سب کے سب ان کے دیوان میں جگہ

پا گئے ہیں

۱۱

وفات قصبہ ماہان میں واقع ہوئی اور وہاں ہی سپرد خاک ہوئے۔ احمد شاہ بہمنی اس وقت زندہ تھا۔ اس نے دکن سے اپنا امین بھیج کر مرقد کے اوپر ایک نیلے رنگ کا گنبد اور اس کے قریب ایک وسیع بارگاہ تعمیر کرائی۔ قبر کا تعویذ زرد سنگ مرمر کا ہے۔ کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عمارت ۸۴۰ء میں تکمیل کو پہنچی۔ احمد شاہ کا انتقال اس سے دو سال پیشتر ہو چکا تھا۔

عبدالرزاق سمرقندی لکھتا ہے کہ وہ ہندوستان سے واپسی کے وقت یعنی ۸۴۵ھ میں ماہان سے گذرا اور وہاں

بزیارت آں مشہد منور و مرقد معطر مشرف گردید و قبہ و بارگاہ و گنبد و خوابگاہ درکمال عظمت و جلالت مشاہدہ نمود۔

دولت شاہ کا بیان ہے کہ

لنگر و خانقاہ او حالا مقصد اکابر و فقرا است و بقعہ دلکشای دبرونق و معمور است۔

بعد کو اس عمارت پر ایران کے بادشاہوں اور امرا نے بہت کچھ اضافہ کیا۔ شاہ عباس اعظم نے مقبرہ کے پچھم طرف ۹۹۹ھ میں ایک بارہ دری بنوائی اور اس کی دیواروں پر خوش نما پھول پتے نقش کرائے۔ محمد شاہ قاچار نے جو تیرھوی صدی ہجری کے وسط میں کجکلاہ ایران گذرا ہے مقبرہ کے آگے ایک کشادہ صحن اور ایک شان دار دروازہ تیار کرایا۔ دروازہ کے پاس دو عظیم الشان درخت چنار کے ہیں جو اس کی خوب صورتی کو دوچند کر دیتے ہیں۔ پورب کی طرف ایک دوسرا دروازہ ہے جس کے باہر ایک پر فضا چمن دکھائی

دیتا ہے۔ اس میں سرو کی قطاریں، پھولوں کی کیاریاں اور ایک چھوٹی سی نہر ہے۔

حال کا ایک سیّاح رقم طراز ہے کہ ایران کے زنگاری رنگ کے آسمان کے نیچے شاہ⁽¹⁾ کے مقبرہ کے نیلے گنبد اور پاس کے ہرے بھرے درختوں اور بہتے پانی کا مجموعی منظر عجب دلفریب ہے اور سیاح کے دل پر دیرپا اثر پیدا کرتا ہے۔

۱۲

تصنیفات میں ایک دیوان اور بہت سے رسالے ہیں

دیوان کی ابتدا میں متعدد چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں۔ قریب تین چوتھائی کے غزلیں زیادہ تر آٹھ نو بیتیوں کی، پھر قصاید، قطعات، ترجیع بند جن میں سے بہتیرے آج تک بقول موسیو الونوف ایران میں زبان زد خاص و عام ہیں۔ رباعیات۔ دوبیتی⁽³⁾۔ کل اشعار کی تعداد کم و بیش چودہ ہزار بتائی گئی ہے۔ دیوان کے قلمی نسخے جا بجا پائے جاتے ہیں، عموماً ہندوستان کے لکھے ہوئے عہد اکبری یا اس کے بھی بعد کے۔ کتب خانہ پٹنہ میں ایک نسخہ ۹۴۲ھ⁽²⁾ کا لکھا ہوا محفوظ ہے جو شاہ جہاں بادشاہ کے خزانہ عامرہ میں رہا کرتا تھا۔

۱۲۷۶ھ میں ایک پارسی کی مدد سے پورا دیوان طہران میں چھپا۔ جہاں پر اصطلاحات صوفیہ کی بھرمار نہیں وہاں زبان عام فہم اور مضامین عامیانہ

ف ۱۔ سر پرسی سائکس، تاریخ ایران، جلد دوم، صفحہ ۲۳۹

ف ۲۔ فہرست کتب قلمی فارسی کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ مرتبہ صاحب موصوف زیر نسخہ نمبر ۲۴۲

ف ۳۔ مسلسل مضمون کے دو شعر جو رباعی کی مخصوص بحروں میں سے کسی میں نہ ہوں۔

اکثر غزلوں کا یہ انداز ہے کہ دو ایک نصیحت کر کے یا ایک آدھ مسائل بتا کر سامع کے قلب کو اپنی طرف رجوع کرا رہے ہیں۔ کئی مثنویاں بظاہر خطوں کے جواب میں۔ قصیدے نعت و منقبت میں یا اخلاقی و صوفیانہ مسایل پر۔ اسم و مسمّٰی۔ احدو واحد۔ وحدت و کثرت۔ فرق و جمع وغیرہ جن خاص معنوں میں استعمال ہوئے ہیں وہ رسالہ اصطلاحات الصوفیہ عبدالرزاق کاشی میں ملیں گے۔ شاہؒ نے اس رسالہ کی شرح بھی لکھی ہے۔

عموماً جو باتیں شعر کی ظاہری خوبی کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہیں مثلاً موزوں الفاظ۔ حسنِ بندش۔ ندرت استعارات۔ ان کے کلام میں کمتر پائی جاتی ہیں۔ باطنی خوبیاں جیسے جوش اور سوز و گداز اکثر جگہیں ملیں گی لیکن اس درجہ پر نہیں کہ دل پر گہرا اور دیرپا اثر پیدا کریں۔ مجاز کے پلہ سے ہر جگہ حقیقت کا پلہ گراں ہے۔

پروفیسر براؤن کہتے ہیں کہ ان کا کلام معمولی ہے اور مولانا مغربی کی انداز کا۔ لیکن آخرالذکر کے بارہ میں دولت شاہ کا قول ہے کہ اگرچہ شاعری ان کے لئے دون مرتبہ تھی تاہم اس میں بھی ان کا درجہ بلند ہے۔ شاہؒ کا کلام ان کے زمانہ میں مقبول عام تھا۔ خود کہتے ہیں۔

سخن ہائے لطیف نعمت اللہ — گرفتہ شہرت از مہ تا بماہی

لطافت سخن کے علاوہ شہرت کی ایک وجہ شاعر کی غیر معمولی شخصیت بھی ہو گی۔

مجمع الفصحا میں مذکور ہے۔ عدد رسالات حقایق و معارف آیات سید زیادہ از سی صد است و مولف ہشتاد و دو رسالہ عربی و فارسی او را دیدم و الآن حاضر است۔ ان میں سے تقریباً تیس رسالوں کا ایک مجموعہ

کتب خانہ برٹش میوزیم[1] لندن میں محفوظ ہے جس میں مناقب شاہ ازعبدالعزیز بن تنیر ملک بھی شامل ہے۔ اور چند صفحے مثنویوں کے ہیں جن میں سے بعض دیوان میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح کا ایک مجموعہ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی[2] کلکتہ میں بھی موجود ہے۔ مگر اس میں مناقب شاہ شامل نہیں۔ اس مجموعہ میں سے ایک مختصر سی عبارت تبرکاً و تیمناً آگے چل کر نقل کی جائیگی جو بعض ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی اور عام فہم ہے۔

چند رسالوں میں آیات قرآنی کی تفسیریں حسب مذاق صوفیہ مثلاً شرح سورہ فاتحہ موسوم بہ شرح فاتحہ الکتاب۔ شرح آیت انا فتحنا معہ بیان اقسام فتوح موسوم بہ مجمع الفتوح۔ بعض رسالوں میں چند عربی کتابوں کے ترجمے یا ان کی شرحیں نظم و نثر میں مثلاً شرح بعض اجزائے فصوص الحکم شیخ ابن عربی۔ جواہر ترجمات واردات امام یافعی۔ شرح لمعات مولانا عراقی۔ چند دیگر رسالوں کے نام یہ ہیں۔ رسالہ نکات در تحقیق وجود۔ رسالہ معرفات۔ رسالہ نفس، رسالہ روح۔ رسالہ برزخیہ۔ رسالۃ البیان۔ کشف الاسرار۔ رسالہ مکاشفات۔ مراتب الرندیہ۔ رسالہ دایرہ۔ رسالہ صفات مہدی۔ رسالہ در جواب سوالہائے سلطان اسکندر تقریباً ان کل رسالوں میں تصوف کے متفرق مسایل پر پیچیدہ عبارتوں اور پرشکوہ لفظوں میں بحثیں ہیں۔ ان کی ورق گردانی سے بے اختیار زبان سے نکلتا ہے۔ تعالی العشق عن فہم الرجال۔

مراۃ الاسرار میں جو عہد شاہجہاں کی تالیف سے لکھا ہے۔

---

[1] ۔ فہرست کتب قلمی فارسی صفحہ ۱۴۱ و ۸۲۹ و ۸۳۱ لغایت ۸۳۳

[2] ۔ نسخہ نمبر ۱۲۳۹۔

دیگر رسالہ مختصر در شرح کلیات امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تصنیف او ست
باوجود حضرت شیخ عبد الرزاق کاشی و دیگر بزرگاں ہم شروح نوشتہ اند۔ اما شرح
سید نعمت اللہ ولی برہمہ ممتاز است۔ اس رسالہ کا پتہ ہیں۔

عبارت مذکورہ بالا از رسایل شاہؒ۔

ہر کہ خواہد کہ حضرت رسول صلعم را در خواب بیند چوں نماز شام بگذارد سخن
نگوید و نماز بگذارد تا وقت نماز خفتن و در ہر رکعتی یک بار الحمد و سہ بار قل ہو اللہ و ہر
دو رکعت سلام باز دہد۔ آں گاہ نماز خفتن بگذارد۔ بعد ازاں دو رکعت نماز بگذارد و
در ہر رکعتی یک بار الحمد و ہفت بار قل ہو اللہ و سلام باز دہد۔ چوں سلام دہد سجدہ کند
و ہفتاد بار استغفار کند و ہفت بار سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آں گاہ سر از سجدہ بردارد و بنشیند و دست
بکشاید و بگوید یا حی یا قیوم یا ذوالجلال والاکرام یا ارحم الراحمین یا رحمن الدین والدنیا
ارحمنا یا الٰہ الاولین والآخرین۔ یارب۔ یارب۔ یا اللہ۔ یا اللہ۔ آں گاہ برخیزد و ہمچناں
بگوید۔ آں گاہ بخسپد بر دست راست و روی بقبلہ کند و صلوات ہمی بگوید تا بخواب رود
کہ مراد حاصل شود۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۳

شاہؒ کے خلف الصدق امیر برہان الدین خلیل اللہ کی ولادت کا حال اوپر
گذر چکا ہے۔ ستر برس کی عمر تک کوئی دوسری اولاد نہ ہوئی جیسا خود کہتے ہیں۔

مدت ہفتاد سال از عمر من بگذشتہ است۔ حاصل عمرم توئی ای عمر جاویدان من
بے رضائے من نبودی یک زماں در ہیچ حال۔ یک سخن ہرگز نفرمودی تو بے فرمان من

ان کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے۔ دیوان میں ایک رسالہ نصیحت ان کے نام سے
ہے اور کئی جگہ ان کا ذکر ہے۔ شاہؒ کی وفات کے بعد یہ دکن آئے۔ ان کے ایک بیٹے

میر نور اللہ یہاں پہلے سے آئے ہوئے تھے جیسا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ یہ اپنے ہمراہ دو اور فرزندوں کو لائے۔ شاہ حبیب اللہ و شاہ محب اللہ۔ احمد شاہ بہمنی نے اول الذکر کی شادی اپنی ایک دختر سے اور آخر الذکر کی اپنے بیٹے شاہزادہ علاء الدین کی ایک لڑکی سے کرادی۔

بعضوں کا بیان ہے کہ شاہ خلیل اللہ پھر اپنے وطن مالوف واپس آئے اور وہاں ہی انتقال کر کے شاہؒ کی قبر کے پاس مدفون ہوئے۔ لیکن دکن میں یہ عقیدہ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ انھوں نے وطن جانے کی توفیق نہ پائی اور خاک دکن ان کے دامن گیر ہوئی۔ غرض ان کی دو قبریں موجود ہیں ایک ماہان میں شاہؒ کی قبر کے نزدیک ایک جالی کے پیچھے[ف۲] دوسری بیدر میں معروف بہ مقبرۂ شاہ خلیل اللہ بت شکن۔ آگے چل کر فرشتہ لکھتا ہے کہ انھوں نے اور ان کے بیٹے شاہ نور اللہ نے احمد شاہ کے جانشین علاء الدین شاہ کے عہد میں انتقال کیا۔ لیکن جگہ کی تصریح نہیں کی ہے[ف۳]

صاحب مرآۃ الاسرار لکھتا ہے[ف۴]

پس شاہ خلیل اللہ در شہر بدر متوطن گشت و شہرتے عظیم یافت۔ مرقد متبرکہ او نیز در شہر بدر است۔

شاہ حبیب اللہ زمرۂ اُمرا میں داخل ہوئے قصبہ بھیڑان کو جاگیر میں ملا۔

ف۱۔ سر پرسی سایکس۔ تاریخ ایران۔

ف۲۔ جرنل رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن بابت جنوری ۱۹۲۴ء مضمون احمد شاہ بہمنی اور اس کا مذہب از کرنل سر ولزلی ہیگ۔

ف۳ تاریخ فرشتہ صفحہ ۳۲۸

ف۴۔ مراۃ الاسرار نسخہ قلمی۔ ورق ۵۸۰

بہتیری لڑائیوں میں کارنمایاں دکھلا کر احمد شاہ سے غازی کا خطاب حاصل کیا۔ شاہ محب اللہ صاحب سجادہ ہوئے

احمد شاہ ۸۳۸ھ میں فوت ہوا۔ اس کی قبر بھی بیدری واقع ہے جس کی عمارت پر شاہؒ کے یہ اشعار مرقوم ہیں[1]۔

تا محیط دیدہ برز و موجِ عشق ہفت دریا را چو سیلے دیدہ ام
نعمت اللہ یافتم در ہر وجود با ہمہ عشقے و نیلے دیدہ ام

علاء الدین شاہ کے مرنے پر اس کا بڑا بیٹا تخت نشین ہوا جو ہمایوں شاہ ظالم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے سپاہیوں کے ہاتھ سے شاہ حبیب اللہ شہید ہوئے[2]۔ دیوان نظیری طوسی میں شاہ خلیل اللہ کا مرثیہ اور اُن کی اور ان کے بیٹوں کی مدح میں قصیدے پائے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب مرشدین و مجاہدین دونوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

ایران میں ایک اور سلسلہ شاہؒ کی اولاد کا ابتدا سے تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کی نسبت صاحب مآثر الامرا لکھتا ہے[3]۔

اہل خبر را یک گونہ اختلافے در اولاد سید بزرگ وا رافتادہ آنچہ ازاں سلسلہ ابا عن جدٍ در بلدہ یزد برو سادہ نیاگاں عالی شان تا الآن آنکا دارند خود را از نسل امیر غیاث الدین گیرند کہ فرزند بلا واسطہ سید است و برخے برآنند کہ آں عالی قدر را غیر از شاہ خلیل اللہ پسرے نبود۔

---

[1] روئیداد محکمہ آثار قدیمہ ہند ۱۹۱۴ء۔ مضمون بیدر از جی یزدانی۔

[2] فرشتہ کہتا ہے کہ آذری نے بہمن نامہ میں ہمایوں شاہ ظالم کے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ یہ اس کی وفات کے ایک برس پیشتر مر چکا تھا۔ بعد کے حالات بہمن نامہ میں جنھوں نے لکھے ہیں ان میں ایک ملا نظیری بھی تھا۔ [3] مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۳۲۵۔ ذکر میر خلیل اللہ یزدی۔

احمد شاہ ۹۲۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد اس نے شاہؒ سے اپنا ایک فرزند دکن بھیجنے کی التجا کی چونکہ اس وقت ان کو صرف ایک ہی بیٹا میر خلیل اللہ تھا انھوں نے ان کو جدا کرنا گوارا نہ کیا جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ اس وقت ان کی عمر نوے ۹۰ سال سے تجاوز کر گئی ہو گی جس عمر میں ایک دوسرے فرزند کی ولادت کا قرینہ کم ہے۔ بہر حال اسی سلسلہ کے افراد کو خاندان صفویہ و خاندان مغلیہ سے تعلق رہا ہے اور انہی کے کارنامے صفحہ تاریخ پر جھلکتے ہیں

سید نظام الدین عبدالباقی یزدی بن شاہ صفی الدین بن امیر غیاث الدین مذکور بالا شاہ اسمٰعیل بانی دولت صفویہ کے عہد میں صدر اعظم اور رستم ثانی نجم اصفہانی کے مقتول ہونے پر وکیل السلطنہ کے اعلیٰ عہدہ پر مامور تھے۔ شمالی ایران میں ایک مقام چلدران تھا۔ یہاں سنہ ۹۲۰ھ میں شاہ اسمٰعیل اور سلطان سلیم عثمانی کے درمیان جنگ ہوئی جس میں اوّل الذکر کو سخت شکست اٹھانی پڑی۔ اس جنگ میں سید نظام الدین سالار غول تھے اور دیگر امرائے نامدار مثلاً سید شریف نبیرہ میر شریف سید السند و سلطان علی مرزا محبوب شاہ اسمٰعیل کے ساتھ مارے گئے۔ یہ سلطان سلیم وہی تھا جو مصر فتح کرنے کے بعد آل عثمان میں پہلا خلیفۃ المسلمین گذرا ہے۔ بعد از جنگ سپاہیوں کی اصرار سے سلطان کو روم واپس لوٹنا پڑا۔ مگر ایک ایرانی شاعر کہتا ہے۔ رباعی

هر چند بود گوزنِ پُر زور و دلیر | هرگز نه شود مقیم در بیشهٔ شیر
گنجشک وطن کند بهر جای ولے | در مسکن شاہ باز کے ماند دیر

شاہ نعمت اللہ یزدی سید نظام الدین کے بیٹے تھے۔ شاہ طہماسپ نے اپنی بہن جانش بیگم سے ان کا نکاح کرا دیا تھا۔ یہ بلقب مرتضائے ممالک اسلام صدارت پر مامور اور تعظیمات شاہانہ کے مورد تھے۔ شاہؒ کے مریدان

کے حلقہ بگوش تھے۔ ان کے مرنے پر ان کی جائداد ان کے بیٹے امیر غیاث الدین محمد میر میران اور ان کی دختر پری پیکر خانم کے درمیان تقسیم ہوئی۔ آخر الذکر کی شادی شاہ طہماسپ کے ایک بیٹے سے ہوئی جو بعد کو اس کا جانشین اور شاہ اسمٰعیل خونی کے نام سے مشہور ہوا۔ امیر غیاث الدین شاہ طہماسپ کے عہد میں نقیب اصفہان و صدر اعظم تھے۔ شاہ نے ان کے بڑے بیٹے میر نعمت اللہ کی شادی اپنی لڑکی سے اور ان کے چھوٹے بیٹے میر خلیل اللہ کی شادی اسمٰعیل خونی و پری پیکر خانم کی لڑکی شہر بانو سے کرادی۔ ۹۸۰ھ میں طہماسپ کے مرنے پر اسمٰعیل خونی دو برس کے قریب تخت نشین رہا۔ اس کے بعد محمد خدا بندہ نابینا۔ پھر اس کا بیٹا شاہ عباس اعظم۔ اس درمیان میں سلطنت کی نزاع جاری رہی جس میں امیر غیاث الدین نے اپنے سمدھی اسمٰعیل خونی کا ساتھ دیا۔ بالآخر شاہ عباس سبھوں پر غالب آیا اور یہ تباہ ہوگئے[ف۱]۔ جہاں گیر بادشاہ لکھتا ہے[ف۲]

بعد از فوت شاہ (طہماسپ) رفتہ رفتہ خرابی ہا باین سلسلہ راہ یافت تا در عہد دولت شاہ عباس یکبارگی مستاصل گشتند و املاک و اسبابے کہ داشتند از دست آنہا بیروں رفت۔ دیگر در جا و مقام خود نتوانستند بود۔

میر خلیل اللہ داماد شاہ اسمٰعیل خونی فرار ہوکر ہندوستان آئے۔ لاہور میں جہاں گیر کے پاس پہنچے اور عواطف بیدریغ کے مورد ہوئے۔ جشن وہیں کے زیر جہاں گیر لکھتا ہے۔

میر خلیل اللہ مذکور ہفت ہشت سال قبل ازیں از ولایت آمدہ در لاہور

ف۱۔ تاریخ جہاں آرائے عباسی میں ان کو مردفتنہ انگیز و شورش طلب لکھا ہے اور ان کی بغاوت و تباہی کے حالات مفصل مذکور ہیں۔ ف۲۔ توزک جہاں گیری مرتبہ سید احمد خاں ۱۸۶۴ء وقایع سال دوم از جلوس صفحہ ۶۲

مرا ملازمت نمود- چوں از سلسلہ مردم عزیز وعظیم بود بہ احوال او بسیار پرداختیم و منصب وجاگیر وعزت اورا معمور ساختہ در صدد تربیت ورعایت او بودیم- بعد ازاں کہ آگرہ مقام خلافت شد باندک مدتے بسبب افراط خوردن انبہ اورا بیماری اسہال کبدروے داد- دو درعرض دہ دوازدہ روز جان را بجاں آفریں سپرد- از رفتن او آزردہ خاطر شدیم- باز گذاشت ہائے اورا از نقد وجنس فرمودیم کہ بفرزندان او کہ در ولایت بودند رسانند- دریں و لا میر میراں (پسر میرخلیل اللہ مذکور) کہ درسن بست ودو سالگی قلندر ودرویش شدہ کہ اورا در راہ نشناختند خود را در اجمیر بما رسانید- کلفت ہائے خاطر و پریشانی ہائے باطن وظاہر اورا اصلاح نمودہ بمنصب ہزار بذات وچہار صد سوار سرفراز ساختیم وسی ہزار درب نقد باد عنایت کردیم- الحال در خدمت وملازمت است-

بادشاہ نے ان کے چھوٹے بھائی میر ظہیر الدین کا عقد اپنی بھتیجی شاہ زادہ دانیال بن اکبر بادشاہ کی بیٹی سے کرا دیا[۱]- خود میر میران کی شادی صالحہ بانو بیگم آصف خاں کی بیٹی اور نور جہاں بیگم کی بھتیجی سے ہوئی- ان کے ایک بیٹے خلیل اللہ خاں حمیدہ بیگم خواہر زادہ نواب ممتاز محل کے شوہر اور عہد شاہ جہاں میں حاکم شاہ جہاں آباد تھے- حضرت محبوب الٰہی کے روضہ منورہ واقع نواح دہلی کے گرد جو بست دری ہے وہ اول انہی نے ۱۰۶۳ھ میں تعمیر کرائی تھی جیسا کہ کتبہ سے ظاہر ہے- ان کے ایک بیٹے روح اللہ خاں عہد اورنگ زیب میں میر بخشی اور دوسرے بیٹے امیر خاں صوبہ دار کابل تھے- آخر الذکر کے بیٹے امیر خاں

۱- مراۃ الاسرار- ذکر میر سید نعمت اللہ ورق ۵۸۰

۲- مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۲۲۵ ذکر میر خلیل اللہ یزدی

عمدۃ الملک تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے مشہور و معروف ندیم و وکیل السلطنۃ
شاہؒ کی اولاد کا ایک تیسرا سلسلہ بھی کتب تاریخ میں پایا جاتا ہے جس کے افراد اہل سیف نہ تھے بلکہ اہل قلم۔ میر مظفر جو اپنے کو شاہ برہان الدین خلیل اللہ بن شاہؒ کی اولاد میں سے بتاتے تھے دسویں صدی ہجری میں ہندوستان آئے۔ ان کے بیٹے میر عبداللہ دہلی کے پیدا عہد اکبری کے مشہور خوش نویس تھے۔ مشکیں رقم خطاب خود اکبر نے دیا تھا[1]۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک میر مومن عرشی سلیمان شکوہ بن دارا شکوہ کے معلم خوش نویسی۔ دوسرے میر صالح کشفی جن کی تصنیف۔ مناقب[2] مرتضوی ہندوستان سے لیکر ایران تک شیعوں میں مقبول ہوئی۔

---

[1]۔ منتخب التواریخ عبد القادر بدایونی جلد ۳ صفحہ ۳۸۳۔
[2]۔ مجمع الفصحا۔ زیر کشفی۔

حصّہ دوم

قصیدہ پیشین گوئی قیامت

در اظہار بعضے از رموزات و مکاشفات بر سبیل کنایات

۱ ف۱	قدرت کردگار می بینم	حالتِ روزگار می بینم
۲	حال امسال صورتِ دگر است	نہ چو پیرار و پار ف۲ می بینم
۳	از نجوم این سخن نمی گویم	بلکہ از کردگار می بینم
۴	عین و رای و ضاد چون گذشت از سال	بوالعجب کار و بار می بینم — ن۔ بینی ز ادوار
۵	در خراسان و مصر و شام و عراق	فتنہ و کارزار می بینم
	گردِ آئینۂ ضمیر جہاں	گرد و زنگ و غبار می بینم
	ہمہ را حال میشود دیگر	گر یکے در ہزار می بینم
۶	ظلمت ظلم ظالماں جہاں	بی حد و بی شمار می بینم — ن۔ دیار
۷	قصۂ بس غریب می شنوم	غصۂ در دیار می بینم — ن۔ از یمین و یسار می بینم
۸	جنگ و آشوب و فتنہ و بیداد	در میان و کنار می بینم — ن۔ در میان و کنار
۹	غارت و قتل و لشکرِ بسیار	از یمین و یسار می بینم — ن۔ در میان و کنار
۱۰	بندہ را خواجہ وش ہمی یابم	خواجہ را بندہ وار می بینم — ن۔ بنیم

ف۱ - داہنی طرف پروفیسر براؤن کی ترتیب اشعار اور بائیں طرف فرق الفاظ لکھ دیے گئے ہیں۔

ف۲ - پار - سال گذشتہ   پیرار - سال پیش از سال گذشتہ   ف۳ بر صفحہ ۶۲

بس فرومایگان بی حاصل — عامل و خوند کار می بینم

ہر کہ او پار یار بود امسال — خاطرش زیر بار می بینم

مذہب و دین ضعیف می یابم — مبتدع افتخار می بینم

۱۱ سکۂ نو زنند بر رخ زر — درہمش کم عیار می بینم

۱۲ دوستان عزیز ہر قومے — گشتہ غم خوار و خوار می بینم

۱۳ ہر یک از حاکمان ہفت اقلیم — دیگری را دوچار می بینم

۱۴ ماہ را روسیاہ می یابم — مہر را دلفگار می بینم

۱۵ نصب و عزل تبکچی و عمال — ہر یکی را دو بار می بینم

۱۶ ترک و تاجیک را بہم دیگر — خصمی و گیر و دار می بینم

۱۷ تاجر از دست دزد بی ہمراہ — ماندہ در رہگذار می بینم

۱۸ مکر و تزویر و حیلہ در ہر جا — از صغار و کبار می بینم

۱۹ حال ہندو خراب می یابم — جور ترک و تتار می بینم

۲۰ بقعۂ خیر سخت گشتہ خراب — جای جمعے شرار می بینم

۲۱ بعضے اشجار بوستان جہاں — بی بہار و ثمار می بینم

۲۲ اندکے امن اگر بود امروز — در حد کوہسار می بینم

۲۳ ہمدمی و قناعت و کنجے — حالیا اختیار می بینم

۲۴ گرچہ می بینم این ہمہ غمہا — شادی غم گسار می بینم

۲۵ غم مخور زانکہ من درین تشویش — خرمی وصل یار می بینم

۲۶ بعد امسال و چند سال دگر — عالمے چون نگار می بینم

ف۱ - اہل ہند - بلا امتیاز مذہب۔ ؎ چار ہندو در یکے مسجد شدند — بہر طاعت راکع و ساجد شدند
ہر یکے بر نیتے تکبیر کرد — در نماز آمد بمسکینی و درد - الخ - مثنوی مولانا روم - دفتر دوم

۳۸	چوں زمستان پنجمیں بگذشت	ششمش خوش بہاری بینم
۳۹	نایب مہدی آشکار شود	بلکہ من آشکار می بینم
۴۰	پادشاہے تمام دانائے	سرورِ باوقار می بینم
۴۳	دور او چوں شود بکام تمام	پسرش یادگار می بینم
۴۱	بندگان جناب حضرت او	سربسر تاجدار می بینم
۴۵	بعد ازو خود امام خواہد بود	کہ جہاں را مدار می بینم
۴۴	پادشاہ و امام ہفت اقلیم	شاہ عالی تبار می بینم
۴۶	م ـ ح ـ م ـ د می خوانم	نام آں نامدار می بینم
۴۷	صورت و سیرتش چو پیغمبر	علم و حلمش شعار می بینم
	دین و دنیا ازو شود معمور	خلق ازو بختیار می بینم
۴۸	ید بیضا کہ باد پایندہ	باز با ذوالفقار می بینم
۴۹	مہدی وقت و عیسیٰ دوراں	ہر دو را شہسوار می بینم
۵۰	گلشن شرع را ہمی بویم	گل دیں را بہار می بینم
۲۷	ایں جہاں را چو مصر می نگرم	عدل او را حصار می بینم
۴۲	تا چہل سال ای برادر من	دور آں شہریار می بینم
۲۸	ہفت باشد وزیر سلطانم	ہمہ را کامگار می بینم
۲۹	عاصیاں از امام معصومم	خجل و شرمسار می بینم
۳۰	برکف دست ساقی وحدت	بادۂ خوش گوار می بینم
۳۱	غازی دوست دار دشمن کش	ہمدم و یار غار می بینم
۳۲	تیغ آہن دلان زنگ زدہ	کند و بی اعتبار می بینم
۳۳	زینت شرع و رونق اسلام	محکم و استوار می بینم

۳۴	گرگ با میش شیر با آہو	در چرا بر قرار می بینم
۳۵	گنج کسریٰ و نقد اسکندر	ہمہ بر روی کار می بینم
۳۶	ترک عیار مست می نگرم	خصم او در خمار می بینم
۳۷	نعمت اللہ نشستہ در کنجے	از ہمہ بر کنار می بینم

یہ قصیدہ کسی وجہ سے دیوان مطبوعہ میں درج نہ پایا ہے۔ جن نسخوں میں یہ درج ہے وہاں اشعار کی تعداد اور ان کی ترتیب میں فرق پایا جاتا ہے اور اکثر جگہوں پر الفاظ بھی متفرق ہیں۔ معرکۃ الارا بیت یہ ہے۔

عین وزی ضاد چوں گذشت از سال — بو العجب کار و بار می بینم

مجمع الفصحا میں ۲۴ شعروں کا انتخاب ہے۔ حروف تاریخ غین را دال ہیں جن کے ۱۲۰۴ ہوتے ہیں۔ اس سال سے ۴۶ برس بعد تالیف مذکور اختتام کو پہنچی ہے۔ قصیدہ کی سرخی بھی اسی سے نقل کی گئی ہے اور قابل لحاظ ہے۔

نسخہ کتب خانہ پٹنہ میں جو ۹۴۲ھ کی کتابت ہے ۵۶ شعر ہیں اور حروف عین وزی ضاد یعنی ۸۷۰۔ اس کتاب میں اسی نسخہ سے قصیدہ مذکور نقل کیا گیا ہے

پروفیسر براؤن ۱۸۸۹ء میں قصبہ ماہان ایران وارد ہوئے۔ وہاں جو نسخہ کہ شاہؒ کے دیوان کا بہترین اور سب سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا تھا اس پر انھوں نے اس قصیدہ کی نقل لی۔ اس نقل میں پچاس شعر ہیں۔ جس بیت میں شاہؒ کا نام آتا ہے وہ اس میں سینتیسویں ۳۷ بیت ہے۔ دوسرے نسخوں میں یہ بیت اخیر میں مقطع کی جگہ پر آتی ہے۔ حروف عین ورا دال ہیں۔ کل غیر منقوطہ جن کے ۲۷۴ ہوتے ہیں۔

برٹش میوزیم لندن کی فہرست کتب قلمی فارسی کے مولف کا خیال ہے کہ عین وزی ذال یعنی ۷۸۷، جو وہاں کے نسخہ میں پائے جاتے ہیں وہ قصیدہ کی تحریر

کی تاریخ ہے۔ اس خیال کے غلط ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اس سال کے چند ہی برس بعد ایران میں امیر تیمور نے گویا قیامت برپا کردی تھی جس کا مجمل بیان اوپر گذرا۔ یہ حال نہ صرف ایران کا تھا بلکہ ماسکو پایہ تخت روس سے لیکر دہلی تک اور چین سے لیکر شام تک کا۔ جہاں وہ پہنچا قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔

ایسے سخت و عالم گیر ہنگامہ کے وقت مسلمان اکثر مہدی آخرالزماں کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ آکر دنیا کو عدل سے بھر دینگے جبکہ وہ ظلم سے بھری نظر آتی ہے۔ یوں تو بہتوں نے مہدیت کا دعویٰ بڑے امن و امان کے زمانوں میں کیا ہے اور اغلباً آئندہ بھی کریں گے اور کچھ لوگ ان کے فریب میں آ ہی جاتے ہیں۔ لیکن عہد تیمور اہل ایران کے لئے خصوصاً کچھ ایسا زمانہ گذرا ہے کہ جس میں کسی مسلمان کا اس طرح کا قصیدہ لکھنا بے وقت و بے محل نہیں تصور کیا جاسکتا۔ شاہ تو اس کی دراز دستیوں کا نمونہ خود ہی دیکھ چکے تھے جب کہ اس نے ان کو اپنی قلمرو سے باہر چلے جانے کا حکم دیا تھا اور انھوں نے اس کے حکم کی تعمیل بدل ناشاد کی تھی۔

اس قصیدہ کی زمین میں ان کی ایک غزل بھی پائی جاتی ہے جس کے کئی مصرعے قصیدہ کے مصرعوں یا نیم مصرعوں سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں۔ غزل

دولت وصل یار می بینم — کام دل در کنار می بینم
ہمہ روشن بنور او نگرم — گر یکے در ہزار می بینم
آں کہ از چشم مردم است نہاں — روشن و آشکار می بینم
ہر خیالے کہ نقش می بندم — نور روئے نگار می بینم
خانۂ دل کہ رفتہ ام از غیر — خلوت آں نگار می بینم
ایں عجائب کہ دید یا کہ شنید — کہ یکے بے شمار می بینم
نعمت اللہ را چو می نگرم — از نبی یادگار می بینم

یہ غزل اس قصیدہ کی اصلی بنیاد ہو یا نہ ہو مگر ان کا اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنا دیگر ذرائع سے بھی ثابت ہے۔ ان کے مجموعہ رسائل میں ایک رسالہ موسومہ صفاتِ مہدی بھی شامل ہے جس میں انھوں نے علاماتِ قیامت کی چند حدیثوں کو جمع کرکے ان کی شرح لکھی ہے۔ اس رسالہ کے اخیر میں ایک مثنوی ہے جس میں انھوں نے صحیح مسلم کی ایک مشہور حدیث کو نظم کیا ہے ؎

دہ چیز نبی بحق اُمت   فرمود علامت قیامت
اوّل دود از جہاں برآید   دنیا پس از آں بسے نیاید
آنگہ دجال کور ناخوش   پیدا گردد چو باد و آتش
دابہ پس از آں پدید آید   اما بسیار ہم نپاید
خورشید عیاں شود ز مغرب   وانگاہ رواں شود ز مغرب
مغرب مشرق نماید آں روز   از پرتوِ شمع عالم افروز
نجم عیسیٰ فرود آید   بر ما در رحمتش کشاید
آنگہ باشد ظہور یاجوج   با لشکر بیشمار ماجوج
یک سال سہ خسف مہ بگیرد   بسیار گدا و شہ بمیرد
آخر ز زمیں برآید آتش   سوزد تر و خشک مردماں خوش
این است علامتِ قیامت   فرمود رسول حق اُمت

یہ سب آثار کبریٰ ہیں جو بعد ظہور مہدی نظر آئیں گے قصیدہ کا پہلا حصہ زیادہ تر علاماتِ صغریٰ کی آیتوں اور حدیثوں پر مبنی ہے۔ ایک دوسرے قصیدہ میں جہاں پر سات سیاروں اور بارہ برجوں کا ذکر ہے ذیل کا شعر پایا جاتا ہے ؎

چوں ببرجِ سعد آیند آں زماں این ہفت شاہ   آشکارہ گردد آں مہدی کہ ہادی ما شود

زمانہ بڑا تھا۔ شاہ کے تقدس کی شہرت تھی اور اس مسئلہ پر ان کے ارشادات بھی تھے۔ ان وجہوں سے شاید ان کے معتقدین نے ان کو مہدی آخرالزماں سمجھا یا ان کے دشمنوں نے ان کو اس دعویٰ کی تہمت دی۔ ان میں سے کسی کو لکھتے ہیں ؎

اے کہ می پرسی زما احوال ما	نعمت اللہ نامم آمد از خدا
سید و درویش و حق را بندہ ام	مردہ ام از جاں بجاناں زندہ ام
من نیم مہدی و لے ہادی منم	رہنمائے خلق در وادی منم
مصطفیٰ را بندہ ام حق را غلام	پیشوائے باسلامت والسلام

اخیر میں شاید مشکوٰۃ المصابیح کی پہلی حدیث کی طرف اشارہ کر دینا خلاف موقعہ نہ ہوگا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ قیامت کب آئیگی۔ انھوں نے جواب دیا کہ سایل سے زیادہ مسئول آگاہ نہیں حضرت عمر ابن الخطاب سے یہ حدیث عن ہے اور سنیوں کے اکثر اہم عقائد کی یہ بنیاد ہے۔ شیعے بھی ساعت قیامت کے باب میں سنیوں سے متفق ہیں یعنی اس کا کسی کو علم نہیں۔

۲

تصیرہ پیشین گوئی ساعت قیامت سے بہتوں نے فائدہ اٹھانا چاہا ہے۔ ان میں سے تین تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔

حبیب السیر تاریخ کی مشہور اور بڑی مستند کتاب ہے۔ خواندامیر اس کی تصنیف سے ۹۳۰ھ میں فارغ ہوا۔ اسی سال شاہ اسمٰعیل بانی سلطنت صفویہ نے وفات پائی۔ شاہ کے ذکر میں مصنف لکھتا ہے۔

دیوان اشعار حقایق شعار آں سید ولایت دثار مشہور است و در آں کتاب

افادت ایاب ابیاتے کہ مشعر بطلوع آفتاب شاہیست مسطور۔

یہ جملہ اگر بعد کا اضافہ نہیں ہے تو اس سے ثابت ہے کہ ابتدا ہی سے یہ قصیدہ مشہور و معروف تھا۔ شاہ کی رحلت کو ایک صدی سے کم ہی گذرے تھے کہ یہ نظم شاہ اسمٰعیل کے دعویٰ کی حمایت میں پیش کی گئی۔ شاہان صفویہ اپنے کو نائب مہدی کہا کرتے تھے۔ ان کا یہ قول تھا کہ صاحب العصر والزماں کی غیبت میں وہ ان کی نیابت میں بادشاہی کرتے ہیں۔ جس گھڑی وہ اپنے کو ظاہر کریں گے یہ عنان حکومت ان کے حوالہ کردیں گے۔ قصیدہ کے آخری حصّہ میں نایب مہدی سے انہی کی طرف اشارہ سمجھا جا سکتا ہے۔ گمان تو یہ ہوتا ہے کہ پروفیسر براون کی نقل میں سینتیسواں[۳۷] شعر جو مقطع کا ہے وہاں ہی قصیدہ ختم ہو جاتا ہے۔ بعد کے تیرہ[۱۳] اشعار خاندان صفویہ کی طرف سے پروپگنڈے کے ہیں جو کسی نسخہ میں مقطع کے آگے حسب ضرورت جوڑ دیئے گئے تھے اور آج کل جو نسخہ ماہان میں ہے وہی اصل مع اضافہ کے ہو۔ بالخصوص اشعار ذیل ؎

چوں زمستاں پنجمیں بگذشت	ششمش خوش بہار می بینم
نایب مہدی آشکار شود	بلکہ من آشکار می بینم
پادشاہے تمام دانائے	سرورِ با وقار می بینم
دور او چوں شود تمام بکام	پسرش یادگار می بینم
بعد از وخود امام خواہد بود	کہ جہاں را مدار می بینم

شیعوں کے فرقہ اثنا عشری کا عقیدہ ہے کہ امام محمد مہدی بن امام حسن عسکری ایمہ معصومین کے آخیر امام ہیں ان کا عہد امامت ۲۶۰ھ سے شروع ہوا مگر اس سال کے بعد سے وہ صرف ایک ہی بار ۳۲۹ھ میں ظاہر ہوئے۔ اس ۹، سال کے عرصہ کو وہ غیبت صغریٰ کہتے ہیں۔ اس عرصہ میں

وہ یکے بعد دیگرے چار شخصوں کی وساطت سے مسلمانوں کو ہدایت کیا کرتے تھے
یہ چار اشخاص اپنے اپنے عہد کے باب کہلاتے تھے۔ ۳۲۹ھ میں ان کا سلسلہ
بھی ختم ہوگیا اور غیبت کبریٰ امام صاحب کی شروع ہوئی۔ یہ قائم آل رسول۔
صاحب العصر۔ صاحب الامر۔ امام منتظر ہیں۔ ان کے نام کے بعد ہمیشہ عجل اللہ فرجہ
لکھا کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جلد ظاہر کرے۔ ابتدائے غیبت سے پورے
ایک ہزار برس بعد یعنی ۱۲۶۰ھ میں ایک نوجوان شیرازی علی محمد نے اپنے کو
باب مشہور کیا۔ اس کے دعویٰ کی تائید میں من جملہ اور دلائل کے شاہ کا یہ قصیدہ
بھی پیش کیا گیا مگر بہ تبدیل حروف تاریخ یعنی غین وراسین جن سے اس کے ظہور
کا سال ۱۲۶۰ھ نکلتا ہے۔ سات برس بعد وہ قتل ہوا۔ لیکن اس کے پیرو جو بابی
کہلانے لگے تعداد میں بڑھتے گئے۔ اس نے اپنے ظہور سے ۱۹ سال بعد
ایک ایسے شخص کے آنے کی خبر دی تھی جس کا وہ باب تھا۔ چنانچہ ۱۲۷۹ھ میں
مازندران کے ایک امیرزادہ بہاء اللہ نامی نے مشارٌالیہ ہونے کا دعویٰ کیا
ان کے پیرو بہائی کہلاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں فرقہ اہل حدیث کی ابتدا رائے بریلی صوبہ
اودھ کے متوطن سید احمد صاحب سے ہوئی۔ یہ آل رسول میں سے تھے۔ نام
بھی احمد تھا۔ شرک و بدعت کی روک تھام میں ان کو بڑی کامیابی حاصل
ہوئی تھی۔ مظلوم مسلمانان پنجاب کی حمایت میں سکھوں کے خلاف ان
کے اعلان جہاد سے ملک کے اکثر حصوں میں بڑا جوش پیدا ہوگیا تھا۔ فتح
پشاور سے بڑی بڑی امیدیں بندھیں۔ کچھ حیرت نہیں کہ ان باتوں سے
بہتوں نے ان کو امام مہدی سمجھا۔ کتاب صراط المستقیم جوان کے ملفوظات
کا مجموعہ ہے۔ اور جس کو اہل حدیث اس ملک کے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

شاہ اسمٰعیل شہید[1] نے ۱۲۳۳ھ میں مرتب کیا اس میں انھوں نے سید صاحب
کو تیرھویں صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔ بعد کو ایک رسالہ میں بہت سی دلیلیں
ان کو مہدی آخرالزماں ثابت کرنے کے لئے جمع کیں۔ اس میں یہ قصیدہ
شاہؒ کا بھی شامل ہوا اس طرح پر کہ۔ غین ورے سال چوں گذشت از سال۔
یعنی ہجرت نبوی کے پورے بارہ سو برس بعد یکم محرم ۱۲۰۱ھ کو سید صاحب
کی ولادت ہوئی۔ پس وہ مذکورہ بالا صفتوں کے ساتھ اس پیشین گوئی کے
بھی مصداق ہوئے۔ علاوہ ازیں ایک دوسرا قصیدہ[2] بھی شاہؒ کی طرف
منسوب کیا گیا جس میں سلطان مشرق کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ مگر یہ قصیدہ
نہ توان کے دیوان یا ان کے کسی رسالہ میں پایا جاتا ہے نہ کسی تذکرہ میں اس
کی طرف اشارہ ہے۔ شاہؒ کا قصیدہ جیسا آیات قرآنی و احادیث نبوی پر
مشتمل ہے ویسا ہی یہ قصیدہ تاریخی غلطیوں سے لبریز ہے اور کسی اہل زبان کے
قلم سے بھی نہیں معلوم ہوتا۔ مطلع یہ ہے ؎

راست گویم بادشاہے درجہاں پیدا شود　　نام او تیمور شہ صاحب قراں پیدا شود

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

ف۱۔ عبرت۔ ان کا بھی ابن تیمیہ کا سا حال ہوا۔ تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۰۵ میں مذکور ہے کہ ان کی کچی قبر بالاکوٹ
میں جہاں یہ شہید ہوئے تھے موجود ہے۔ اس علاقہ کے باشندے ایک ایسے شخص کی قبر پر جس کی تمام عمر
شرک و بدعت کی بیخ کنی میں کٹی ہو ناس جس کے وہ عادی تھے چڑھا کر منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔

ف۲۔ کلکتہ ریویو بابت ۱۸۷۰ء جلد ۵۰ صفحہ ۹۹ و جلد ۵۱ صفحہ ۳۸۶ میں ایک مفصل مضمون ہندوستان میں وہابی
مذہب کے عنوان سے بقلم جسٹس اوکینیلی درج ہے جس میں ان دونوں قصیدوں کے انگریزی ترجمے شامل ہیں۔

حصه سوم

۱

نام و لقب

نعمت الله نور دین دارد لقب — نور دین از نعمت الله می طلب

از رسول الله نسب دارم درست — خود که دارد این چنین دیگر نسب

سیدم عشق است و من در حضرتش — بندهٔ حلقه بگوشم روز و شب

مطرب عشاق گو شعری بخوان — تا جهان از ذوق او گیرد طرب

جان من گفتا نهم لب بر لبت — آمده از عشق او جانم بلب

آب لطف او نصیب ما بود — آتش قهرش از آن بولهب

مدتی بودم مجاور در عجم — گرچه اصلم باشد از ملک عرب

من مجاور حالیا در ملک فارس — جد من آسوده در شهر حلب

نسب نامه

نعمت اللهم و ز آل رسول — محرم عارفان ربانی

قرة العین میر عبدالله — مرشد وقت پیر نورانی

پدر او محمد آن سید — که نبودش بهیچ رو ثانی

باز سلطان اولیای جهان — میر عبدالله است تا دانی

پیر کامل کمال دین یحیی — سید مسند مسلمانی

پدرش هاشم است جد موسی — مادرش شاهزاده سامانی[۱]

۱- شاہان سامانی سنہ ۳۹۰ھ تک برسر حکومت تھے۔

دیگر آں جعفر خجستہ لقا — روح محض لطیف روحانی
سید صالحاں کہ صالح بود — جمعی بود از پریشانی
میر حاتم کہ نزد حضرت او — مختصر بود عالم فانی
باز سید علی عالی قدر — کان احسان بحر عرفانی
پادشاہی ممالک دانش — بود سید علی کاشانی[ن]
ابراہیم آں کہ روح می بخشید — نفسش در گہ سخن رانی
میر محمد کہ بندگان درش — در جہاں یافتند سلطانی[ف۱]
شاہ سادات سید اسمعیل — آفتاب سپہر سبحانی
ابی عبد[ف۲] اللہ آں کہ روح امیں — گفت او را کہ جملہ را جانی
باز امام محمد باقر — مخرب کفر دیں ربانی
پدر او علی ابن حسین — آں کہ زین العباد میخوانی
باز امام بحق حسین شہید — نور چشم علی عمرانی
آں وصی رسول یار خدا — والی مملکت سلیمانی
آں کہ باشد در مدینۂ علم — کوری خارجی مروانی
نور دو ہم جد من رسول خدا — آشکار است نیست پنہانی
ہست فرزند من خلیل اللہ — باد یا رب بہ بندہ ارزانی

ن ۔ کیسانی ۔ اسمعیلیوں کا ایک فرقہ۔

ف۱ ۔ مراد از خلفاء فاطمیہ مصریہ

ف۲ ۔ کنیت امام جعفر صادق علیہ السلام ۔ دیکھو صفحہ ۳ ۔ اس کنیت کے نہ جاننے کے باعث پروفیسر براؤن اور ان کے استاد ڈاکٹر رو فہرست نویس برٹش میوزیم سے غلط فہمی ہوئی ہے۔

مدح شیخ

شیخ ما بود در حرم محرم | قطب وقت یگانۂ عالم
از دمش مردہ می شدی زندہ | نفسش ہمچو عیسیٔ مریم
شرح اسما بذوق خوش خواندی | عارف اسم اعظم آں اعظم
نعمۃ اللہ مرید حضرت اوست | شیخ عبد اللہ ہست اوفا فہم

سلسلۂ ارادت

شیخ ما کامل مکمل بود | قطب وقت امام کامل بود
گاہ ارشاد چوں سخن گفتی | دُرِ توحید را نکو سفتی
یافعی بود نام عبد اللہ | رہبر رہروان آں درگاہ
صالح بربری روحانی | شیخ شیخ من است تا دانی
باز باشد ابو الفتوح سعید | ز کمال است آں سعید شہید
از ابی مدین[2] او ہدایت یافت | بکمال از ولی ولایت یافت
مغربی بود مشرقی بصفا | آفتاب تمام مہ سیما
شیخ ابی مدین است شیخ سعید | کہ نظیرش نبود در توحید
دیگر آں عارف ودود بود | کنیت او ابو سعود بود

ف[1] - بندرگاہ معروف

ف[2] - ان کا مرتبہ مغرب میں ویسا ہی ہے جیسا غوث اعظم کا مشرق میں۔ شیخ ابن عربی نے ان سے بھی ترتیب پائی تھی۔ نفحات صفحہ ۶۱۲

بود در اندلس ورا مسکن | بس کرم کرده روح او با من

پیر او بود هم ابو البرکات | بکمال و جمال ذات و صفات

باز ابو الفضل بود بغدادی | افضل فاضلان باشهادی

شیخ او احمد غزالی[۱] بود | مظهر کامل جلالی بود

خرقه اش پاره او بکر است | زان که نساج او ابی بکر است

پیر نساج شیخ ابو القاسم | مرشد عصر ذاکر دایم

باز شیخ هدی ابی عثمان | که نظیرش نبود در عرفان

مظهر لطف حضرت واهب | بندگی ابو علی کاتب

شیخ او شیخ کاملش خوانند | بو علی رودباری اش خوانند

شیخ او هم جنید بغدادی | مصر معنی دمشق دلشادی

شیخ او خال او سری سقطی | محرم حال او سری سقطی

باز شیخ سری بود معروف[۲] | چون سری سر او بود مکشوف

او ز موسی[۳] جواد احسان یافت | کفر بگذاشت نور ایمان یافت

یافت در خدمت امام مجال | بود بواب درگهش ده سال

ف۱ - برادر حجة الاسلام ابو حامد غزالی

ف۲ - از شیخ معروف سلسله دو شق میشود یکی با امام همام علی بن موسی الرضا رضی الله عنهما میرسد و ازو پدر بپدر تا آنحضرت مصطفی صلعم دو شق دیگر چنانکه درین قطعه مذکور است. دولت شاه صفحه ۱۹۶

ف۳ - پدر وی (شیخ معروف) مولا بود دربان امام علی بن موسی الرضا رضی الله تعالی عنهما گویند که بر دست وی مسلمان شده بود. نفحات صفحه ۴۲

شیخ معروف رانکو میداں — شیخ داؤد طائی اش میخواں
شیخ او ہم حبیب محبوب است — عجمی طالب است و مطلوب است
پیر بصری ابو الحسن باشد — شیخ شیخاں انجمن باشد
یافت او صحبت علی ولی — گشت منظور بندگی علی
خرقۂ او ہم از رسول خداست — ایں چنیں خرقۂ لطیف کراست
نعمتہ الہم و زآل رسول — نسبتم با علی است زوج بتول
ایں چنیں نسبتی خوشی بتمام — خوش بود گر ترا بود و سلام

سیاحت

مدتی در بدر بجہاں گشتم — گرد میخانۂ جہاں گشتم
پیر میخانہ خدمتش کردم — ہم بفرمان او رواں گشتم
در خرابات عشق رندانہ — ساقی بزم عاشقاں گشتم
نام من شد نشانۂ عالم — گرچہ بی نام و بی نشاں گشتم
چوں محب جناب او بودم — نیک محبوب این و آں گشتم
جاں بجانان خویش بسپردم — زندۂ ملک جاودان گشتم
موج بودم ولی شدم دریا — ایں چنیں بودم آں چناں گشتم
عقل سرمایہ بود شد برباد — فارغ از سود و از زیاں گشتم
بندہ ام بندگی او کردم — سید جملہ سیداں گشتم

ولادت فرزند

از قضای خدای عزوجل — حیّ قیوم قادر سبحاں

نیم ساعت گذشته بود از روز | روز آدینه در مہ شعبان
یا زہم بود ماہ و وقت شریف | ماہ در حوت مہر در میزان
پنج و ہفتاد و ہفت صد از سال | رفتہ در کوہ ناگہ ناگاہاں
میر برہان دین خلیل اللہ | آمد از غیب بندہ را مہماں
کسب او باد علم ربانی | حاصلش باد عمر جاویداں

تذکرۂ احباب

دل ما در ہوای الوند است | در سر زلف یار در بند است
خواجہ تبریزی است در قرباغ | شاہ شروان و میر دربند است
یار بلخی ما ز ترمذ رفت | در کشش خواجہ سمرقند است
ترک سرمست و ہندوی شیریں | آں یکی چوں گل است واین قند است
گرچہ آدم بجسم بود پدر | نزد خاتم بروح فرزند است
سید بزم عشق دانی کیست | آں کہ او بندۂ خداوند است

کیش

پرسند زمن چہ کیش داری | ای بی خبراں چہ کیش دارم
از شافعی و ابوحنیفہ | آئینۂ خویش بیش دارم
ایشاں ہمہ بر طریق جد اند | من مذہب جد خویش دارم
در علم نبوت و ولایت | از جملہ کمال بیش دارم

در ساغر ما بجز می ناب نبود | با عاشق مست عقل مخمور کہ بود

گوئی ز فلاں چشمہ رواں آب خوش است ... با بحر محیط قطرۂ آب چہ بود

علم توحید نیک می دانم ... خوش بذوق ایں کتاب می خوانم
دو نگویم کہ شر کم حاشا ... من یکی گویم و مسلمانم
مظہر اسم اعظم اویم ... حافظ حرف حرف قرآنم
سید مجلس خرابا تم ... ساقی بزم بادہ نوشانم

دستور عمل

قرب صد سال عمر من بگذشت ... قصد موری نکردہ ام بخدا
مو بہ ہستی بہ تیغ سر مستی ... از سر خود ستردہ ام بخدا
نان خود خوردہ ام ز کسب حلال ... مال غیری نخوردہ ام بخدا
تا عزیز خدا و خلق شوم ... عزت کس نہ بردہ ام بخدا
بخدا زندہ ام بعشق رسول ... گرچہ از خویش مردہ ام بخدا
نفس خود بیاد سید خویش ... ذاکرانہ شمردہ ام بخدا

ف۳ صفحہ ۴۶ - علم نجوم کی مستند کتاب ہندؤں کی سورج سدھنت کہلاتی ہے۔ عالم کبیر و عالم صغیر کی خیالی مطابقت سے وہ ماضی حال مستقبل کی حالتیں اپنے زعم میں دریافت کر لیتے ہیں۔ نوع انسان کا نمونہ کل پرش نام ایک فرضی شخص ہے جس کا جسم بارہ برجوں کا مجموعہ ہے بجنسہ جیسا شاہؒ ایک قصیدہ میں بیان کرتے ہیں۔

سر حمل میداں و گردن ثور باشد فی المثل ... ہر دو دست اے برادر باز چوں جوزا بود
سینہ ات سرطان و دل میداں اسد اے شیر دل ... رودہایت سنبلہ جز وے ازیں اجزا بود
ناف میزاں داں بو مردی عقرب است و قوس راں ... ہر دو زانو جدی و ساقت دلو و حوت پا بود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللہ الذی عین عین الاعیان بفیضہ الاقدس الاقدم وسبحان من تجلی
لذاتہ لذاتہ فاظہر آدم واستخلفہ علی مظاہر اسمائہ المعونۃ بالعالم وصلی اللہ علی
من ہو اسم الاعظم المبعوث بالرسالۃ الی خیر الامم وآلہ وسلم

مثنویات

خوش بگو ای یار بسم اللہ بگو — ہر چہ می جوئی ز بسم اللہ بجو
اسم جامع جامع اسما بود — صورت این اسم عین ما بود
در مقام جمع روشن شد چو شمع — آنچہ مخفی بود اندر جمع جمع
جملۂ اسما ز اعیان رو نمود — صد ہزار اسما مسمّٰی یک وجود
ہر کجا اسمیست عین آن اوست — ہر کرا عینیست اسمی جان اوست
مجمع مجموع اسما آدم است — لاجرم او قطب جملہ عالم است
ہر کسی کو مظہر اللہ شد — ز آفتاب رحمتش چون ماہ شد
نعمۃ اللہ مظہر او دانمش — صورت اسم الٰہی خوانمش

ہر یک از اسمای حق در علم او — صورتی دارد کہ باشد عین او
نور ہر عینی کہ می بینند بصر — وجہ خاصی می نماید در نظر
جود او بخشید اسما را وجود — ورنہ اسما را بخود بودی نبود
ہر چہ موجود است مرہون خداست — گرچہ اسمای وی و اعیان ماست
کثرت اسمای او اندر عدم — از صفاتش نقش می بندد قلم
چون صفت از ذات او دارد وجود — رحمت ذاتش غضب را وادہ بود

راحم و مرحوم ازاں می خوانمش | اسم او ذات و صفت می دانمش
نسخهٔ اعیاں اگر خوانی تمام | شرح اسما را بدانی والسلام

بشنو اسمای الہی یاد گیر | زانکه ہم واحد بود او ہم کثیر
ما صفات و ذات اسما خوانده ایم | اسم را عین مسمّی خوانده ایم
اسم رسم است آنکه می خوانیش اسم | کی چنیں خوانی اگر دانیش اسم
عارفاں ذات و صفت دانند اسم | بی صفت ذاتش کجا خوانند اسم
می تجلّی داں و جامش عالم است | بودن ایں ہر دو مارا مامن است
جام می دریاب چوں آب حیات | تا سئول ہر دو را یابی جواب
جام و می باہمدگر ہمدم شدند | صورت و معنی بہم ہمدم شدند
نیستی و دم زہستی میزنی | از منی بگذر اگر یار منی
از خودی در حضرت او دم مزن | ملک توحید از منی برہم مزن
آئینه برداشت و برقع بر کشود | آں یکی از ہر یکی دوئی نمود
در ہمه صورت تو از معنی نگر | صورت و معنی خود یعنی نگر
سایه و خورشید از ہم دور نیست | روشن است ایں چشم ما کور نیست

احد از واحد آشکارا شد | واحدی در عدد ہویدا شد
کثرت و وحدت است در ہر باب | مجملاً و مفصلاً دریاب
کثرتش چوں حباب داں دایم | وحدتش بحر و ایں بآں قایم
وحدت و کثرت اعتباری داں | نسخهٔ عقل را چنیں میخواں
نقش عالم خیال می بینم | در خیال آں جمال می بینم

او لطیف است و در همه ساری — آب رحمت بجوی او جاری

سخن عارفان بجان بشنو — این چنین گفتم آن چنان بشنو

بگذر از کثرت و ز وحدت هم — بیش و کم را چه میکنی فافهم

گر تو فانی شوی بقا یابی — خود ازین بیخودی خدا یابی

در سراپردهٔ حدوث و قدم — خوش بود گر نهی قدم بقدم

حال عالم بذوق اگر دانی — آفتاب است و سایه می خوانی

ذات او از صفات مستغنی است — و از همه کائنات مستغنی است

هر که در معرفت سخن راند — وصف خود می کند اگر داند

بحقیقت یکی بود بی شک — در ظهور این دوئی نمود آن یک

احول است آنکه یک دو می بیند — چون دو بیند یگانه بنشیند

صوت صادق بود صدا کاذب — راز صادق مگوی با کاذب

صفت و ذات واحدش خوانند — بی صفت ذات را احد خوانند

بصفت ذات او توان دانست — هر که دانست آن چنان دانست

آن که دانم ذات موصوف است — حضرت اوست زان که مکشوف است

عاشقانی که عین یکدگر اند — عین خود را بعین خود نگرند

بتعین اگرچه اشخاص اند — بحقیقت نه عام نی خاص اند

همه همدرد یکدگر باشند — هرچه باشد بپای هم باشند

هر که همدرد دردمندان نیست — گوئیا از قبیل انسان نیست

درد دل دارم و دوا این است — دُرد می نوشم و شفا این است

ذوق رندی ما ز مستان جو — مستی ما ز می پرستان جو

تا ز سر وجود آگاه هم ‌ ‌ ‌ محرم راز نعمتہ اللہم

گر ز اسرار حق شوی آگاه ‌ ‌ ‌ خوش بگو لا الہ الا اللہ
چوں ہویت یکیست اسما را ‌ ‌ ‌ بہویت یکی بود اسما
در نظر عالمیست چوں سایہ ‌ ‌ ‌ سایہ بنگر بنور ہمسایہ
صفت و ذات و اسم را میداں ‌ ‌ ‌ سہ یکی و یکی بسہ میخواں
یک وجود است اگر خبر داری ‌ ‌ ‌ عین او بیں اگر نظر داری
در ظہور است مظہر مظہر ‌ ‌ ‌ نیک در باب باطن ظاہر
نور او را بنور او بنگر ‌ ‌ ‌ در ہمہ آئنہ نکو بنگر
ابداً علم از خدا میجو ‌ ‌ ‌ چوں بیابی بطالباں میگو
سخن عارفاں خوشی میخواں ‌ ‌ ‌ معنی اش ہمچو عارفاں میداں
یک حقیقت بعلم بسیار است ‌ ‌ ‌ یک ہویت ہزار آثار است
کثرت و وحدت ایں چنیں گفتم ‌ ‌ ‌ در توحید را نکو سفتم

جامع مجموع اسما آدم است ‌ ‌ ‌ لاجرم او روح جملہ عالم است
عقل اول ذرۂ بیضا بود ‌ ‌ ‌ صورت و معنی جسد ما بود
آدم معنی است عقل کل بنام ‌ ‌ ‌ جملہ عالم از و یابد نظام
حضرت مبدع چو او را آفرید ‌ ‌ ‌ مبدع مجموع عالم شد پدید
جملہ اجمالی است او را از قضا ‌ ‌ ‌ لاجرم لوح قضا خوانیم ما
نفس کلیہ از و حاصل شدہ ‌ ‌ ‌ ایں و آں با یکدگر واصل شدہ
مرد و زن یعنی نفوس و ہم عقول ‌ ‌ ‌ فرع ایشاں اند ایں ہر دو اصول

نفس کل یا قوتهٔ حمرا بود / این کسی داند که او ازبا بود

بعد ازین هر دو طبیعت گفته اند / در این معنی بحکمت سفته اند

علم تفصیلی ز لوح او بخوان / جامع علم قدر باشد چنان

آن گهی باشد هیولا یاد دار / صورت خوش بر هیولا می نگار

هر دو باهم جسم کلی خوانده اند / خوش حکیمانه سخنها گفته اند

عرش اعظم تخت الرحمٰن بگو / الرحیم از کرسی اعلی بجو

قصاید

در اوصاف ائمه و اولیا

رندان باده نوش که با جام همدم اند / واقف ز سر عالم و از حال آدم اند

حق اند گرچه خلق نمایند در صور / بحر اند گرچه در نظر ما چو شبنم اند

دانندگان حضرت ذات اند اولیا / آئینه صفات حق و اسم اعظم اند

بیش اند از ملایک و بیش اند از بشر / گرچه کم اند از خود و ز هر کسی کم اند

ظاهر درین مظاهر و باطن ز حد عقل / آخر بصورت اند و بمعنی مقدم اند

باقی لایزالی و فانی لم یزل / هستند و نیستند و سخنگو و ابکم اند

معشوق و عاشق اند و می و جام و جسم و جان / از جام بازرسته و آسوده از غم اند

روح الله اند در تن مردم چو جان روان / مرده کنند زنده که عیسی مریم اند

جمع اند همچو شانه و با دوست رو برو / گرچه چو زلف یار پریشان و برهم اند

شمع اند و روشن اند که قایم ستاده اند / سرو اند و ثابت اند اگر در چمن خمند

در اولیا بچشم حقارت نظر مکن / زیرا که نزد حضرت عزت مکرم اند

نقش نگین خاتم ختم رسالت اند / نقد خزانهٔ ملک و عین خاتم اند

سلطان کائنات و غلامان سیداند　مخدوم انس و جان و سرافراز عالم‌اند

سرّ جان

بگو جانی کزین مظهر جدا شد　کجا رفت از کجا آمد کجا شد
اگر دارد مقامی آن کدام است　وگر دارد نه جائی آن کجا شد
نشانی ده ازان خلوت سرایش　چو گوئی زین سرا تا آن سرا شد
ز تو باور ندارم گر بگوئی　هوائی بود بر باد و هوا شد
جوابی خوش جوابی بشنو از ما　که کشف آن ز حق ما را عطا شد
حباب جان ما در بحر وحدت　شکست آن صورت و خود عین ما شد
بهر موجی که در دریا رسیدیم　چو از ما بود با او آشنا شد
وزین دار فنا آمد دو روزی　روانه گشت با دار البقا شد
ز دیده گر دو یک روزی نهان شد　نگوئی گشت فانی یا فنا شد
ز غیب آمد شهادت یافت این جا　بغیب خویشتن بی عیب وا شد
نوائی داد جسم بی نوا را　چو رفت او از بدن تن بی نوا شد
حباب و موج و دریا جمله این اند　نگوئی قطرهٔ از من جدا شد
مثال جان و تن تمثال مرآت　شکست آئینه تمثالش بیا شد
ازان وجهی که با آئینه می داشت　نه زان وجهی که با حق آشنا شد
نه میرد نعمت الله حاش لله　که دل زنده بدرگاه خدا شد

در نعت و منقبت

گفتیم خدای هر دو عالم　گفتیم محمد و علی هم
گفتیم نبوت و ولایت　در ظاهر و باطن اند همدم

آن بر همه انبیاست سید — وین بر همه اولیا مقدّم
آن صورت اسم اعظم حق — وین معنی خاص اسم اعظم
واو طلبی طلب کن از نون — وز واو الف بجو فافهم
در اوّل و آخرش نظر کن — تا دریابی تو سرّ خاتم
چشمی که نه روشن است از وی — آن دیده مباد خالی از غم
شهباز علیست نیک دریاب — دانه روح است دام آدم
بی مهر محمد و علی کس — یک لحظه زغم مباد خرّم
باشد علم علی بدستم — زانست ولایتم مسلّم
بر برقع ما نشان آل است — ما دلشادیم و خصم در غم
او ساقی حوض کوثر و ما — نوشیم زلال او دمادم
بی حضرت او بهشت باقی — جامی باشد ولیک بی جم
بیچارهٔ رزم اوست رستم — خواهندهٔ بزم اوست حاتم
دستش باشارت سر تیغ — افگنده زدوش اسپ ارقم
کم باد محبت آل مروان — هر چند کم اند کمتر از کم
رو تابع آل مصطفی باش — بی تابع شمر و ابن ملجم
مائیم زعزّتش معزز — مائیم بدولتش مکرم
بر عرش زدیم منجنیقی — بربسته ز زلف حور پرچم
ای نور دو چشم نعمة الله — دی مردمو الی مکرّم
در دیدهٔ ما ترا مقام است — بنشین جاوید خیر مقدم
در عین علی نگاه میکن — می بین تو عیان جمله عالم

فی المواعظة

بشنو ای یار اضطراب مکن
خویش رسوای شیخ و شاب مکن

اگرت معنی است حاضر باش
صورت شرع را خراب مکن

چشم بر شاهد و شراب منه
گوش با نغمه و رباب مکن

میکنی خواب و میخوری شب و روز
اعتمادی بخورد و خواب مکن

می مخور چون حرارتی دارد
خوردن خود بغیر آب مکن

ای که گوئی که خمر هست حلال
غلطی فکر نا صواب مکن

از سر ذوق با تو می گویم
قول ما بشنو و جواب مکن

ذرّه را آفتاب می خوانی
طعنه بر نور آفتاب مکن

آخرت را چرا شوی منکر
سیرآبی چنان سراب مکن

کشف اسرار شرع جائز نیست
گوش کن منع و اجتناب مکن

عاقبت میروی سوی گیلان
چند روزی دگر شتاب مکن

نعمة الله را بدست آور
عمر نی خدمتش حساب مکن

غزلیات

ای عاشقان ای عاشقان مارا بیانی دیگر است
ای عارفان ای عارفان ما را نشانی دیگر است

ای بلبلان ای بلبلان ما را نوای خوش بود
زان رو که این گلزار ما از بوستانی دیگر است

ای خسرو شیرین سخن ای یوسف گل پیرهن
ای طوطی شکر شکن ما را زبانی دیگر است

تا عین عشقش دیده ام مهرش بجاں بگزیده ام
درآشکارا و نہاں ما را عیانی دیگر است

خورشید جمشیدِ فلک برآسماں چرخ تست
مہر منیر عاشقاں برآسمانی دیگر است

اقلیم دل شد ملک جاں شہر تن آمد ایں جہاں
کون و مکان عارفاں در لامکانی دیگر است

رند و درمیخانہا صوفی و کنج صومعہ
ما را سریر سلطنت برآسمانی دیگر است

شید مرا جاناں بود ہم درد و ہم درماں بود
جانم فدای جاں او کو از جہانی دیگر است

در آئینہ عالم تمثال صفات اوست — از روی مسمّی بیں آں اسم کہ ذات اوست
سرّیکہ ترا گفتم با عقل مگوای دل — ایں راز درون ما بیروں ز جہات اوست
دیر است پر از صورت ترسابچۂ در روی — ہر نقش کہ می بینم معنی حیات اوست
ایں مجلس رندانست ما عاشق سرمستیم — جامیست وجود ما بادہ ز صفات اوست
درد امن درد آویز گر طالب درمانی — زیرا کہ دل ہیکس را درد نجات اوست
گر کشتہ شوم در عشق از مرگ نیندیشم — خود مردۂ دردا و زندہ بحیات اوست
تکبیر فنا گفتن بر ہر چہ سوی الہست — در مذہب ایں شیدا آغاز صلوات اوست

اگر تو عاشق یاری بعشق دوست نکوست — ہر چہ دیدہ کشائی چو حسن اوست نکوست
اگر بہ کعبہ روی بی ہوای دوست بداست — و گر بمیکدہ باشی بیاد دوست نکوست

جهان صورت و معنی چو پوست باشد و مغز — تو مغز نغز بگیر و مگو که پوست نکوست
اگرچه کشتن عشاق بد بود بر ما — ولی چو عادت آن یار تند خوست نکوست
ز زلف یار بعمر دراز ای سید — چو شانه حاصل اگر نیم تار موست نکوست

نقطه در دایره نمود و نبود — بلکه آن نقطه دایره بنمود
نقطه در دور دایره باشد — نزد آن کس که دایره پیمود
اول و آخرش بهم پیوست — نقطه چون ختم دایره بنمود
دایره چون تمام شد پرکار — سر دو پا را بهم نهاد آسود
بی وجودیم و بی وجود همه — بی وجود تیم ما و تو موجود
همه عالم خیال او گفتم — باز دیدم خیال او او بود
خوشتر از گفته های سید ما — نعمة الله دگر سخن نشنود

همه عالم خیال او باشد — در خیال آن جمال او باشد
هر خیالی که نقش می بندم — نظرم بر کمال او باشد
جنت هر کسی سزای وی است — جنت ما وصال او باشد
کفر و ایمان بنزد اهل دلان — از جلال و جمال او باشد
گفته سیدم بجان بشنو — زانکه سحر حلال او باشد

ما عاشق مستیم کرامات چه باشد — ما باده پرستیم مناجات چه باشد
با همدم رندان سراپرده نشستیم — در مجلس ما حاجت طامات چه باشد
گفتیم چنین است و چنان بود که گفتیم — این است کرامات کرامات چه باشد

ما عاشق مستیم ز جام می وحدت / خود کثرت معقول خیالات چه باشد
چون خلوت ما گوشهٔ میخانهٔ عشق است / با منزل ما راه مقامات چه باشد
سید چو همه اوست چه پیدا و چه پنهان / احوال بدایات و نهایات چه باشد

بگوش هوش من آمد ندای ساقی دوش / که جام جم بستان و می حلال بنوش
بیا که مجلس عشق است و عاشقان سرمست / مدام همدم جام اند و خم می در جوش
گشوده برقع صورت ز روی معنی باز / هزار جان شده حیران و عقلها مدهوش
بمشت گل نتوان آفتاب پوشیدن / بگو بعاشق مستی که عشق را می پوش
بگندمی اگر آدم بهشت را بفروخت / تو باز خر بجوی و به نیم جو بفروش
بشنو که سید سرمست وعظ می گوید / بگو خطیب مخوان خطبه یک زبان خاموش

چنان سرمست و شیدایم که پا از سر نمی دانم / دل از دلبر نمی دانم می از ساغر نمی دانم
برو ای عقل سرگردان مرا با کار من بگذار / که من سرمست و حیرانم بجز دلبر نمی دانم
شدم از ساحل صورت بسوی بحر معنی باز / چه جای بحر و بر باشد که جز گوهر نمی دانم
دلم چون مجمر و عشقش چو آتش جان من چون عود / همی سوزم روان چون عود و من مجمر نمی دانم
من آن نادان دانایم که می بینم نمی بینم / از آن می گریم از حسرت که سیم از زر نمی دانم
چو دیده سو بسو گشتم نظر کردم بهر گوشه / بجز آب دو چشم خود درین منظر نمی دانم
ز هر بابی که میخواهی بخوان از لوح محفوظم / که هستم حافظ قرآن ولی دفتر نمی دانم
برآمد نور سبحانی چه کفر و چه مسلمانی / طریق مومنان دارم ولے کافر نمی دانم
بجز یا هو و یا من هو چو سید من نمی گویم / چه گویم چونکه در عالم کسی دیگر نمی دانم

نظری میکنم و جبههٔ خدا می بینم
روی آن دلبر بی رو و ریا می بینم

بر جمالش همگی صورت جان می نگرم
در کمالش همه تن لطف و وفا می بینم

ترک آن قامت بالاش نگویم به بلا
گرچه از قامت و بالاش بلا می بینم

مردم دیدهٔ ما غرقه بخون نظر اند
هر طرف می نگرم چشم بلا می بینم

صوفی صومعهٔ خلوت معنی شده ام
لاجرم صورت می صاف و صفا می بینم

جان سید شده آئینه جانان بیقین
عشق داند ز کجا تا بکجا می بینم

بعشق چشم بیمارت دلم بیمار می بینم
ولی از ذوق سیراب لبت سیراب می بینم

همیشه چشم سرمست ترا مخمور می بینم
ولی در عین سرمستی خوشی هشیار می بینم

لب لعلت چو می بوسم حدیث یار می شنوم
که آن طوطی بنطق خود شکر گفتار می بینم

بعالم هر کجا حسن خوش زیبای می یابم
خیال عکس خورشید جمال یار می بینم

چو سید صوفی صافی که باشد ساکن کویت
ز عشقت بر سر بازار شیشه زار می بینم

عاشقانه عشق بازی میکنیم
تا نه پنداری که بازی میکنیم

خانمان عقل ویران کرده ایم
کشته‌ایم و ترکتازی میکنیم

در پی کفر حقیقی میزنیم
ترک اسلام مجازی میکنیم

کشتهٔ عشق و شهید حضرتیم
آفرین بر دست غازی میکنیم

ما به آب دیدهٔ ساغر مدام
خرقهٔ خود را نمازی میکنیم

سیدیم و بندهٔ محمود خویش
بر سر سلطان ایازی میکنیم

در راه خدا بسی دویدیم
تا باز بجذبتش رسیدیم

رفتیم بسوی میفروشاں | جام می ازایں وآں چشیدیم
درگلشن عشق طوف کردیم | چوں سرو بہر چمن چمیدیم
ازکثرت خلق بازرستیم | واز نقش خیال خود رمیدیم
جاناں بلساں ماسخن گفت | ما نیز بسمع او شنیدیم
درآئنہ وجود اعیاں | جز نور جمال او ندیدیم
ازہشت بہشت و نہ فلک ہم | بگذشتہ بعشق او رسیدیم
چوں جذبۂ او رسید ما نیز | خطی بخودی خود کشیدیم
ازہستی خود چو نیست گشتیم | فارغ زیزید و بایزیدیم
معشوق خودیم و عاشق خود | ہم سید خویش و ہم عبیدیم

ای درمیان جانہا از ماکنار تا کی | مستاں شراب نوشند ما در خمار تا کی
ما تشنگان عشقیم برخاک رہ فتادہ | مارا چنیں گذاری در رہگذار تا کی
تو چشمۂ حیاتی سیراب از تو عالم | ما تشنہ در بیاباں در انتظار تا کی
ساقی بیار جامی درخاک ما فروریز | درمجلس چنیں خوش گرد و غبار تا کی
درخلوت دل تست یاری و غمگساری | تو میروی بہر در غافل زیار تا کی
نقش خیال بگذار دست نگار ما گیر | نقاش را نظر کن نقش و نگار تا کی
رنداں چو نعمۃ اللہ سرمست در سماع اند | تو ہم بکوب پائی دست برار تا کی

ترجیع بند

ای بمہرت دل خراب آباد | وزغمت جان دردمنداں شاد
طاق ابروت قبلۂ خسرو | چشم جادوت فتنۂ فرہاد

لب لعل تو کام بخش حیات — چشم مستت گره کشای مراد
هر که او شادی و غم تو نکرد — کی شود در سِ عشق را استاد
ما ترک مراد خود گفتیم — در رهِ دوست هر چه باد اباد
دوش سرمست در گذر بودم — بر درِ مسجدم گذر افتاد
مقریِ ذکر قامتش میگفت — هر کس آنجا بیامد و ایستاد
از پیِ آن جماعت ایستادم — تا ببینم که چیست شان اوراد
ناگه از پیش امام روحانی — رفت و بر منبر این ندا در داد

که سراسر جهان و هرچه در اوست
عکس یک پرتو است از رخ دوست

شاهدی از دکان باده فروش — بر من میگذشت سرخوش دوش
حلقهٔ بندگیِ پیر مغان — کرده چون عاشقان اندر گوش
بسته زنّار همچو ترسایان — جام بر دست و طیلسان بر دوش
گفتم ای دستگیر مخموران — از کجا میرسی چنین مدهوش
جام گیتی نمای با من داد — گفت ازین باده جرعهٔ کن نوش
گر تو خواهی که می شوی محرم — در خرابات رو خوشی می نوش
گفتم این باده از پیالهٔ کیست — لب بدندان گزید و گفت خموش
تا که از پیر دیر پرسیدم — که زسودای کیست ای همه جوش
هیچ کس زین حدیث لب نکشود — ناگهان چنگ بر کشید خروش

که سراسر جهان و هرچه در اوست
عکس یک پرتو است از رخ دوست

ترک بالا بلند یغمائی — سرور دار ملک زیبائی

شهرهٔ انس و جان بخوش روئی | فتنهٔ مرد و زن بغوغائی
طلعتش برج ماه نیکوئی | قامتش سرو باغ رعنائی
از در دیر چون درون آمد | هر کسش دیده گشت شیدائی
ناگه از مرحمت نظر انداخت | بر من مستمند سودائی
کای گرت آرزوی سلطنت است | چند هجران کشی و تنهائی
گفت ای عاشق بلا دیده | تا بکی بیخودی و رسوائی
در رهِ دوست کفر و دین درباز | در مناجات و باده پیمائی
چونکه برگشتم از رهِ تقلید | داد تلقینم این بدانائی

که سراسر جهان و هرچه دراوست
عکس یک پرتو است از رخ دوست

ترک سرمست چون کمان برداشت | هر کرا بود دل زجان برداشت
در گمان بودم از خیال میانش | چون کمربست این گمان برداشت
گفتم ای خسروِ وفاداران | قدمی چند می توان برداشت
بگلستان خرام تا با تو | منِ بیدل کنم بجان برداشت
در چمن رفت و همچو گل بشگفت | نام خوبی ز ارغوان برداشت
در زمان چونکه مست شد ساقی | تیشه را مُهر از دهان برداشت
باده چون گرم شد بصیقل روی | زنگ ز آئینهٔ روان برداشت
هر کدورت که داشت دل ز دوا | درد وا آمد از میان برداشت

که سراسر جهان و هرچه دراوست
عکس یک پرتواست از رخ دوست

ساقیا بادهٔ شبانه کجاست | می بیاور که دور نوبت ماست

جام گیتی نمائی پیش آور — که در آن جرعهٔ خدای نماست
بیخبر کن مزار هستئ خود — که خبر آرمت که یار کجاست
بگدائی رویم بر در دوست — که مرادِ همه جهان آن جاست
پیر پیمانه نوشِ پیمان داد — آن زمانی که بزم می آراست
تا ببینی ز دیدهٔ معنی — نعمتہ اللہ را تو از چپ و راست
پس از آنت بگوش جان آید — در جهان آنچه محض و پیداست
که سراسر جهان و هرچه در اوست
عکس یک پرتو است از رخ دوست

قطعات

شنیدم ساقی سرمست می گفت — یکی را جام بخشم دیگری خم
اگر جام مَی آری پر بری مَی — دگر انبان بیاری پر ز گندم
بگفتم این تفاوت از چه افتاد — بگفتا ای ز استعداد مردم
صراط مستقیم است آنچه گفتم — طریق نعمتہ اللہ را مکن گم

به شنبه روز خوش باشد همه کار — ولیکن صید کردن از همه به
به یک شنبه بنا آغاز می کن — وگر عزم سفر داری دوشنبه[ف۱]
سه شنبه فصد می کن با حجامت — بریش از مرهمت مرهم بنه
اگر داری هوای شرب شربت — چهارشنبه بخور دارو ز رنج میره

ف۱ یشنبه بکسر و ظهور ها - برهان

به پنج شنبه مراد خویش میخواه زبهر بابی که می خواهی که و مه
به آدینه اگر خواهی عروسی بکن تزویج و داد خویش میده
که غیر از اولیا و انبیا کس نداند سر این علم از که و مه

دوبیتی

بدانکه حضرت اعلیٰ نمی تواں دانست ز ذات او بجز اسمائی تواں دانست
ہرانچه ممکن دانستن است دانستم ولی حقیقت او را نمی تواں دانست

رباعیات

ترکیب[1] صنائع ار نگشتے کم و کاست صورت بستے که صورت گر ماست
پروردہ و بکاست تا بدانند کساں کایں عالم را مصورے کام رواست

عشق آمد و عقل رخت بربست و برفت آں عہد که بستہ بود بشکست و برفت
چوں دید که پادشہ در آمد سرمست بیچارہ غلام رخت بربست و برفت

توحید تو پیش ما ہمہ شرک تو ئیست اثبات یگانگی ہمہ عین دوئیست
از وحدت و اتحاد بگذر که احد ایمن ز معنی باشد و فارغ ز توئیست

---

[1] یہ رباعی مرصاد العباد کی حسب ذیل رباعی کے جواب میں ہے

دارندہ چو ترکیب صنائع آراست باز از چه سبب فگندش اندر کم و کاست
گر خوب نیامد ایں صور عیب کراست ور خوب آمد شکستنش بهر چه راست

در مذہب ما محب و محبوب یکیست — رغبت چہ بود راغب و مرغوب یکیست
گویند مرا کہ عین او را بطلب — چہ جائے طلب طالب و مطلوب یکیست

یک عالم ز آب و گل بپرداختہ اند — خود را بمیان آں درانداختہ اند
خود می گویند باز خود می شنوند — از ما و شما بہانہ برساختہ اند

تا دار وی دردم سبب درماں شد — پستیم بلندی شد و کفر ایماں شد
جان و دل و تن ہر سہ حجاب رہ بود — تن دل شد و دل جاں شد و جاں جاناں شد

بلبل سخن از زبان گل می گوید — مست است و حدیث جام و مل می گوید
دریاب رموز نعمت اللہ کہ او — جزو است و سخن ز کل می گوید

قیمت مع محصول ڈاک بذریعہ منی آرڈر ۱۴ آنے۔ پارسل وی پی نہ ہوگا اور نہ قیمت میں ٹکٹ لئے جائیں گے۔ فرمائش بنام راج نراین سنگھ۔ درگاہ شاہ ارزاں۔ ڈاکخانہ مہندرو۔ پٹنہ

P. O. MAHENDRU, PATNA.

محمد شمس الرحمن خاں خوشنویس مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ
۱۹۳۹